

عہد نبویؐ سے عصرِ رواں تک طوافِ خانہ کعبہ کے دوران
پیش آنے والے دل افروز واقعات کا روح پرور مجموعہ

طوافِ خانہ کعبہ کے روح پرور واقعات

تصنیف
مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی
دلاس یونیورسٹی، کیپ ماؤن، ریاستہائے امریکہ



ناشر
رفاعی مشن نائیک



بَابِي أَنْتَ وَأُمِّي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ

تفصیلات

- کتاب : طوافِ خانہ کعبہ کے دوران
- تالیف : ابو رفیع محمد افروز قادری چریاکوٹی.....
 پروفیسر: دلاس یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ
 afrozqadri@gmail.com
- تصویب : مبلغ رشد و ہدایت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالمبین نعمانی قادری
- نظر ثانی : حضرت مولانا سید رضوان احمد رفاعی شافعی - حفظہ اللہ تعالیٰ -
 rifai.rizwan11@gmail.com
 Mobile: 09923819343
- باہتمام : فہمی چریاکوٹی
- صفحات : دو سو چالیس (240)
- اشاعت : 2015ء - 1436ھ
- قیمت : 120 روپے
- تقسیم کار : ادارہ فروغ اسلام، چریاکوٹ، مٹو، یوپی، انڈیا

و رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اپنے والدین کے نام!

جن کی معیت میں طوافِ خانہ کعبہ

اور

حاضری دربارِ رسالت کا شرف نصیب ہوا۔

اور

جن کی دعاؤں کے طفیل، مولا کی رحمتیں مجھ پر سدا برستی رہتی ہیں۔ سچ ہے۔

یہ کامیابی و شہرت، یہ نام ان سے ہے

خدا نے جو بھی دیا ہے مقام ان سے ہے

کہاں بساطِ جہاں اور میں کمسن و ناداں

یہ میری جیت کا سب اہتمام ان سے ہے

- اللہ ان کی زندگی و بندگی میں برکتیں اتارے -

بلکہ (زخوئیں بخنہا)

ابورفہ محمد افروز قادری چریا کوٹی

فہرست

- 10 عرضِ رفاعی (از: خطیب اہل سنت علامہ سید رضوان احمد رفاعی شافعی
12 دست بستہ
14 حرم پاک کی فضاؤں میں.....
15 مدینے سے لوٹتے ہوئے.....
16 تاریخ خانہ کعبہ پر ایک نظر
21 خانہ کعبہ مسلمانوں کا نیو کلیس
21 تعمیر کعبہ مقدسہ کی مزدوری
24 غلاف خانہ کعبہ - عہد بہ عہد
33 طواف خانہ کعبہ کی فضیلت
37 اور سنگِ اسود بو سے دینے لگا
37 قربان میں تیری جرأت پر!
40 مٹ گئے مٹتے ہیں جٹ جائیں گے اعدا تیرے
41 عفو و درگزر کی اعلیٰ ترین مثالیں
43 عرشِ الہی سے بھی بڑا گناہ
45 دستِ مصطفیٰ کی برکتیں
46 یا محمد ﷺ! انصاف سے کام لیجیے!
47 مقامِ مردِ مومن
48 شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے
50 دنیا کا بدترین انسان کون؟
50 کیا بات ہے اُس دیوانے کی

- 51 سنگِ اسود نفع و نقصان کا مالک کیسے!
- 54 خالق سے حساب کتاب!
- 57 دورانِ طواف حضرت عیسیٰ سے ملاقات
- 57 الہی! اہل سعادت میں کر دے
- 58 حکم کا احترام یوں ہونا چاہیے
- 58 حق خدمت نہ ادا ہوا
- 59 داستانِ ایک متکبر کی
- 62 آنکھیں رو رو کے سجانے والے
- 63 خانہ کعبہ اور سنگِ اسود
- 63 ولادتِ علی مرتضیٰ
- 64 تیرے ٹکڑوں پہ پلے
- 65 سنگِ اسود کے بوسے سے منع کر دیا
- 66 اس کو پھینک دو، اس کو پھینک دو
- 67 واقعہ تیر کر طواف کرنے کا
- 68 اشکوں کی سوغات
- 69 مجھے بڑی شرم آتی ہے
- 69 جن کے رتبے ہیں سوا.....
- 77 طواف کا آغاز کیوں اور کیسے ہوا!
- 80 اچھی زندگی کا معیار
- 81 اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی
- 84 چاند روئے اور ہم نہ روئیں!
- 84 صحابی کی گستاخی کا انجام
- 85 شاید یہی آنسو باعثِ بخشش بن جائیں

- 86 موت، نصیحت کے لیے کافی ہے
88 مجھے اللہ سے شرم آتی ہے!
90 اور یہ ہیں فاطمہ الزہرا کے لعل
92 ماں! تیری عظمت کے قربان
97 ایک بچی کی اپنے مولا سے مناجات
98 حسن نیت، عمل سے بہتر
99 لذتِ آہ سحرگاہی
99 نیکیوں کے طفیل بدوں کا بھلا
100 کہاں تھا میں اس کرم کے قابل!
102 تو اور تیرے پیروکار سب بخشے گئے!
103 تعظیم و تکریم کے طور
103 اور رحمتِ مولا مہربان ہو گئی
104 ارد گرد اشرفیوں کا ڈھیر لگ گیا
105 اللہ اپنی سلامت عطا کرے
105 طلب مغفرت کا منفرد آہنگ
106 درودِ پاک کی برکات
107 راہِ خدا میں بیٹے کی قربانی
110 جرم پر ہی تو ہے موقوف، ظہورِ رحمت
111 زمرہٴ صالحین میں شامل ہونے کا نسخہ
112 کعبہ معظمہ، رابعہ بصریہ کے استقبال میں
113 منزلِ سمٹ کر قدموں میں
118 بادشاہ کے منہ پر اس کی اصلاح

- 119 حق گوئی و بے باکی
 121 اپنے کیے پر شرمساری
 121 قربان ترے حج پر
 124 بڑوں کی بڑی باتیں
 128 اور ہارون الرشید تصویر حیرت بنارہ گیا
 135 دل سے جو بات نکلتی ہے...
 138 چار مقبول لڑکیاں
 143 انسانی چہرے والا جانور
 146 فطری جذبات
 147 عرفانِ الہی کا جدا گانہ رنگ
 148 خدایا یہ تیرے پر اسرار بندے
 150 اور شہزادے کا دل پسچ گیا
 153 خلیفہ وقت کو نصیحت کرتے ہوئے
 163 جیسے دل میں آگ لگی ہو
 165 تیری رحمتوں کے قربان
 166 جسے مولا بلاتا ہے
 166 قرب و بعد کا فلسفہ
 167 ایک کنیز کا علمی مقام و مرتبہ
 169 محبتِ الہی میں سرمست
 170 مقربانِ بارگاہ کے راز و نیاز
 172 ہر حاجی مہمانِ خدا
 173 بندگی کیا ہے کچھ نہ ہونا ہے

- 173 خانہ کعبہ پر پہلی نظر
 177 بے نیاز نو جوان
 178 توکل علی اللہ کی شان
 179 بات ایک غریب الوطن کی
 180 نیتوں کا فرق
 182 حج اور خواہشات نفسانی
 184 ایک عارفہ کا عارفانہ کلام
 187 چہار خصال درویشی
 187 بدنگاہی کی تباہ کاریاں
 188 آوارہ نگاہی پر گرفت
 188 عارفہ کنیر
 193 بات ایک فرزانے کی
 194 تعظیم اکابر کی ایک جھلک
 195 نوشتہ تقدیر ہو کے رہتا ہے
 196 قیامت کے روز مجھے اندھا اُٹھانا
 197 نہ پوچھ ان خرقة پوشی کو.....
 198 بلند ہمت و پست ہمت کی پہچان
 199 حدیث ضعیف اور اُمید قوی
 199 تحفہ خضر
 201 مجاہد کی ضیافت کا اہتمام
 202 عظمت عثمانی کا ایک رخ
 203 ہر شب مکہ میں
 204 ایک جوان کی توبہ

- 208 الہی یہ ترے پُر اسرار بندے
 209 اور دل ہوش میں نہ رہا
 211 کم سن عارف باللہ
 215 اور دینار چوری ہو گئے
 216 ایک بدوی کی التجائیں
 217 رزق بندے کی تلاش میں
 218 ماں کی عظمت شان
 219 صبر کا پھل
 220 ورنہ سر قلم کر دوں گا!
 221 ایسے قاضی کے لیے ہلاکت!
 223 قصہ پچاس جھوٹی حدیث والے کا
 224 خانہ خدا کے ساتھ عشقی لگاؤ
 225 ایک مجرب دعا اور اس کی برکتیں
 225 رجوع و انابت کی برکات
 226 دعاؤں کی پرواز
 228 انداز دعا کی ندرت
 230 مقصود تراجلوہ ہے
 230 جہنم سے نجات کا پروانہ
 231 غوث الاولیاء کون؟
 232 اسراف و انفاق میں فرق
 232 درس عبرت برائے حجاج
 235 حاجیو! آؤ.....
 236 کتابیات

عرضِ رفاعی

محبت گرامی قدر، ادیب و خطیب اہلسنت حضرت علامہ مفتی سید رضوان احمد رفاعی شافعی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على صفوة
الخلائق محمد بن النبي الامين وعلى آله وصحابه أجمعين
من يومنا هذا إلى يوم الدين . أما بعد !

خانہ کعبہ روئے زمین کا وہ مقدس مقام ہے جہاں پہنچنے کے لیے ایک مردِ مومن کا دل اس کے پہلو میں پہروں دھڑکتا رہتا ہے۔ اس کی زیارت، قلب و روح کی دنیا کو ایک صالح انقلاب سے دوچار کر دیتی ہے۔ اس کے گرد پھیرے لگانے والے خوش بختوں نے دنیا میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ جس کی مثال کھوجے سے بھی نہیں ملے گی۔ طوافِ کعبہ اپنے اندر ایک عجیب کشش و مقناطیست رکھتا ہے، جسے طواف کرنے والے کے علاوہ دوسرا شخص نہ تو پاسکتا ہے اور نہ ہی محسوس کر سکتا ہے۔ یہ تاریخ ساز کتاب آپ کو بتائے گی کہ عہد رسالت مآب ﷺ سے لے کر گزشتہ صدیوں تک خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے والوں کے ساتھ کیسے کیسے واقعات رونما ہوئے اور وہ کس طرح الطافِ ربانیہ و عنایاتِ الہیہ کے مہبط و مورد بنے۔

اس دل چھوتے اور اچھوتے موضوع پر نہ تو کبھی میں نے کوئی کتاب دیکھی اور نہ ہی اس کا تصور کر سکتا تھا کہ اس موضوع پر بھی الگ سے کچھ لکھا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ یہ ٹیڑھی کھیر ہر کس و نا کس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس کے لیے تاریخ و سیرت اور طبقات و تراجم کے گلیاروں کا چکر لگا کر اپنے مطلب کی جڑی بوٹی سے عرقِ خاص کشید کرنے کی ضرورت تھی۔ ظاہر ہے سہل پسند طبیعتوں کو تو اس کا سوچ کر ہی چکر آنا شروع ہو جائے گا؛ مگر ہر دور میں کچھ کوہ کن ہوتے ہیں جن کے سینے میں ولولہ فرہاد جو شام ہوتا ہے اور وہ اپنی بے

تکانِ محنت و لگن سے جوے شیر نکالنے میں کامیاب و سرخ رو ہو جاتے ہیں۔

یہ دیکھیں مولانا محمد افروز قادری چریا کوٹی ہیں، تاریخ و سیرت کے گلیارے سب ان کے دیکھے ہوئے ہیں۔ اسی دشت کی سیاحی میں ان کی حیاتِ مستعار کے لیل و نہار گزرے ہیں۔ انھیں خوب پتا ہے کہ اس کوچہٴ علم کی کیا کیا چیزیں سر بازار آچکی ہیں اور کیا ہنوز نگہ محققین سے پوشیدہ ہیں۔ یہ مولانا کے امتیازات و تفردات میں سے ہے کہ وہ ہمیشہ صحراے علم کی سیاحی کے بعد ایسی جنس گراں مایہ کا انتخاب کرتے ہیں جسے ان سے پہلے نہ برتا گیا اور نہ اس کے کیف و مستی سے بادۂ علم کے میخواروں کے کام و دہن لذت آشنا ہوئے۔

یہ محض اللہ کی توفیق ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں پر فکر و نظر کے نئے آفاق روشن کرتا رہتا ہے، اور پھر وہ فراست و بصیرت کے روزن سے وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جس کا عام لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آج جب کہ آئے دن درجنوں کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آرہی ہیں اور لائبریریوں کا ذخیرہ کتبِ قارئین پر ایک رعب و ہیبت طاری کر رہا ہے۔ ایسے گہما گہمی کے ماحول میں کسی نئی زمین کو تسخیر کر کے اس سے ایک نئے موضوع کو اُجالنا یقیناً کسی علم و کمال کے فرہاد ہی سے ممکن ہے۔

میری اس بات سے ہر خواندہ و سنجیدہ شخص اتفاق کرے گا کہ مولانا کی بیشتر تصانیف و تحقیقات اپنے موضوع پر اکلوتی ہوتی ہیں اور نرالی شان رکھتی ہیں۔ مولانا کی یہ کتاب بھی ان کی دیگر کتب کی طرح اپنے اندر شانِ امتیاز و تفرد رکھتی ہے اور اپنے موضوع پر بھرپور مواد فراہم کرتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب جس طرح غیر حجاج کے لیے ایک گراں مایہ تحفہ ہے، اسی طرح حجاج کے لیے بھی خاصے کی چیز بن گئی ہے۔ رفاعی مشن ناسک کے لیے ایسی اکلوتی کتاب کی طباعت و اشاعت کسی اعزاز و شرف سے کم نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے علم و عمل میں برکتیں نازل فرمائے۔ اور رفاعی مشن کے معاونین و کارپردازان کو دن و رات چوگنی ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

سید رضوان احمد رفاعی۔ بانی و سرپرست: رفاعی مشن، ناسک شریف

اللہ رحمن و رحیم کے نام سے شروع

دست بستہ

اللہ رب العزت کا بے پایاں شکر و احسان ہے کہ جس نے محض اپنی توفیق سے زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔ انوار و تجلیات کے سیل رواں کا حصہ بنتے ہوئے جس سہولت و اہتمام کے ساتھ بوڑھے والدین کی معیت میں حج و عمرہ کے مناسک و ارکان ادا ہوئے وہ بجائے خود نوازشِ مولا اور عنایتِ ربانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اس نے پھر بیوی بچوں کی محبتوں شفقوتوں میں حصہ بٹانے کے لیے وطن عزیز واپس فرمادیا۔

حرمین شریفین سے دل پر پھر رکھ کر آنے کو تو ہم واپس آ گئے؛ تاہم سچ پوچھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جان و دل ہنوز طوافِ حرم میں دیوانہ وار پھر رہے ہیں..... رکنِ شامی سے وحشتِ شامِ غربت مٹا رہے ہیں..... ملتزم سے گلے لگ کر مدتوں کے ارمان نکال رہے ہیں..... چشمہ زمزم سے جنم جنم کی تشنگی شوق بجھا رہے ہیں..... زیرِ میزاب، کرم کے چھینٹوں تلے نہا رہے ہیں..... من موہنا غلافِ کعبہ، سر آنکھوں سے لگا رہے ہیں..... آغوشِ حطیم میں سجدِ نیاز لٹا رہے ہیں..... بوسہ سنگِ اسود سے ظاہر و باطن کی غلیمتیں مٹا رہے ہیں..... سعیِ صفا و مروہ سے روح و بدن کی صفا و غذا کا سامان کر رہے ہیں..... وادیِ منیٰ میں رقصِ لہلہ کی بہاریں دیکھ رہے ہیں..... غارِ ثور و حرا کی طرف پروانہ دار لپکے جا رہے ہیں اور محلِ مستجاب پر کھڑے گریاں و بریاں بابِ اجابت کھٹکھٹا رہے ہیں۔

دوسری طرف کعبہ کے کعبہ کی یادوں کا ہجوم ہے..... شہرِ مدینہ کی صبحِ دل آرا آنکھوں میں اُتری ہوئی ہے..... جو دِشہ کوثر کا چھلکتا ہوا دریا نگاہوں میں بہ رہا ہے..... مشتاقانِ دید کی آہ و

تڑپ سماں باندھ رہی ہے..... قصرِ محبوب کا جلوہ دیدہ و دل میں کھبا ہوا ہے..... اور سبز گنبد سے چھٹتے ہوئے انوار و تجلیات کے کیف آور مناظر دہلیزِ تصور پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔

واہ کیا بات ہے مدینے کی

لیکن گنبدِ خضرا کی بارگاہِ عظمت میں شمعِ رسالت کے پروانوں کا رقصِ مستانہ آج بھی جاری ہے..... جاں نثاروں کے والہانہ عشق و محبت کا جذبہ آج بھی زندہ و تابندہ ہے بلکہ عشاقِ مصطفیٰ نے اس جذبہ جاں نثاری کو ایک تحریک بنا دیا ہے۔ بعد از وصال بھی صحابہ کرام سے لے کر لمحہ موجود تک حضور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ اطہر مرجعِ خلافت بنا ہوا ہے..... درِ آقا پر ہر پلِ صل علی کے سردی پھولوں کی بہارِ دلوں کے غنچے چٹکار رہی ہے۔ حضور کی رحمت کا درِ آج بھی کھلا ہوا ہے اور صبحِ قیامت تک کھلا رہے گا۔

اگر آج کا انسان امن، سکون اور عافیت کی تلاش میں ہے اور اُنقِ عالم پر دائمی امن کی بشارتیں تحریر کرنے کا خواہاں ہے تو اسے دہلیزِ مصطفیٰ پر جھک جانا ہوگا؛ اس لیے کہ گنبدِ خضرا کو اپنی سوچوں کا مرکز و محور بنائے بغیر باغِ طیبہ کے شاداب موسموں اور مخمور ساعتوں کو اپنے ویران آنگن کا مقدر نہیں بنایا جاسکتا۔ امن کی خیرات اسی در سے ملے گی؛ اس لیے کہ ذہنوں کی تہذیب و تطہیر کا شعور اُسی درِ پاک کی عطاے دلنواز ہے۔

ان مقدس یادوں کو تازہ رکھنے ہی کی یہ ایک کوشش ہے۔ یہ تحریر آپ کو بتائے گی کہ طوافِ خانہ کعبہ کے دوران کیسے کیسے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں، اور سعادت مندوں نے رحمتِ خداوندی میں کس کس طرح سے حصہ ڈالا ہے، اور مولا کے فضل و کرم کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ اُمید ہے کہ ناچیز کی یہ کوشش ٹھکانے لگے گی اور قارئین سے دعاؤں کا خراج وصول کرنے میں کامیاب ہوگی۔

- اللہ بس باقی ہوس -

ابورفیعہ محمد افروز قادری چریا کوٹی

۱۷ جولائی ۲۰۰۹ء بروز شنبہ

حرم پاک کی فضاؤں میں.....

الحاج سید صبیح الدین صبیح رحمانی

خوشا وہ دل حرم پاک کی فضاؤں میں تھا
زباں خموش تھی، دل محو التجاؤں میں تھا

طواف کرتا تھا پروانہ وار کعبے کا
جہانِ ارض و سما جیسے میرے پاؤں میں تھا

حطیم میں میرے سجدوں کی کیفیت تھی عجب
جبیں زمین پہ تھی، ذہن کہکشاؤں میں تھا

درِ کرم پہ صدا دے رہا تھا اُشکوں سے
جو ملتزم پہ کھڑے تھے میں اُن گداؤں میں تھا

مجھے یقین ہے میں پھر بلا یا جاؤں گا
کہ یہ سوال بھی شامل مری دعاؤں میں تھا



مدینے سے لوٹتے ہوئے.....

الحاج ریاض مجید ریاض

ٹھہری ہوئی آنکھوں میں جدائی کی گھڑی ہے
 شب، آخری طیبہ کی مرے سر پہ کھڑی ہے
 کیا عرض و گزارش ہو کہ ملتے نہیں الفاظ
 دنیا سے تمنا ہے جو ہونٹوں پہ اڑی ہے
 اک گنبدِ خضرا ہے محیطِ دل و دیدہ
 دھندلائی ہوئی آنکھوں میں تصویرِ جڑی ہے
 روتے ہوئے سامانِ سفر باندھ رہے ہیں
 محسوس یہ ہوتا ہے قیامت کی گھڑی ہے
 کھینچتے چلے آتے ہیں قدم سوے حرم پھر
 یہ شہرِ مدینہ سے نکلنے کی گھڑی ہے
 آتے ہوئے کیا سہل مدینے کا سفر تھا
 جاتے ہیں تو اک ایک قدم راہ کڑی ہے
 لوٹا ہے مدینے سے ریاضِ اپنا بدن صرف
 جو روح ہے وہ اب بھی مواجہہ پہ کھڑی ہے



تاریخ خانہ کعبہ - پس منظر و پیش منظر

آسمانی کعبہ سے زمینی کعبہ تک

ہواؤں میں اُڑتی ریت، پر بتوں پر جمی برف، سنگلاخ چٹانوں میں پلنے والی آتش فشاں، زمین کی زرخیزی سے نمو پانے والے سبزہ زار، موسموں کے تغیر سے تبدیل ہونے والی حیاتیات، آسمان، چاند، ستارے اور حضرت انسان کے معاشرتی ارتقا کو دیکھ کر جہاں ایک طرف خدا کی وحدانیت کا یقین ہوتا ہے وہاں دوسری طرف اس کے تخلیق کار، مصور، اور معمار ہونے کی ایسی نشانیاں سامنے آتی ہیں جنہیں رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی اس کی طرح ایک اتنی بڑی کائنات کو تخلیق کر سکتا ہے یہی اس کی وحدانیت کا کھلا ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے آسمانے حسی الخالق، المصور، القیوم کی صفات کے تحت نہ صرف ایک بڑا تخلیق کار ہے بلکہ صورت گری کرنے والا اور کائنات کو سنبھالنے والا بھی ہے، اس طرح وہ ساتوں آسمان وزمین کو تعمیر کرنے والا پہلا معمار ہے جس نے کائنات کے ساتھ ساتھ دنیا کے پہلے انسان کو حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں تخلیق فرمایا اور اپنے فرشتوں کے ذریعے انہیں دنیا میں رہنے سہنے کے آداب و طریقے بتانے کے ساتھ ساتھ زمین پر چلنا سکھایا اور اسی نے ان کی اولاد کو کھیتی باڑی اور مویشیوں کی پرورش کا علم عطا کیا۔

عرش الہی کے نیچے ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ہے جس کا نام بیت المعمور ہے۔ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں قیامت تک پھر ان کی باری دوبارہ نہیں آتی۔ زمین پر رہنے والے فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم بیت المعمور کی طرح زمین پر ایک مکان

تعمیر کرو۔ ملائکہ نے مکان تعمیر کر لیا تو اس کا نام 'ضراح' رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جس طرح آسمان کے فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین والے فرشتے 'ضراح' کا طواف کیا کریں جس کی بنیاد ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت سے زمین پر اتارے گئے تو انہیں حکم ہوا اب زمین پر میرا ایک گھر تعمیر کرو، اور جس طرح میرے عرش کے گرد تم نے فرشتوں کو طواف کرتے دیکھا ہے ایسا ہی اس گھر کا طواف کرو۔ بالآخر حضرت آدم علیہ السلام مکہ معظمہ پہنچے اور آپ نے وہاں پر بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔

دلائل النبوة میں اس تعلق سے قدرے تفصیل آئی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کی طرف بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ زمین پر میرا ایک گھر تیار کرو۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک لکیر کھینچی اور حضرت آدم علیہ السلام اس کے مطابق زمین کھودنے لگے۔ ماں حوا مٹی اٹھا کر پھینکنے میں مصروف ہوئیں یہاں تک کہ کھدائی پانی کی سطح تک پہنچ گئی۔ نیچے سے آواز آئی کہ اے آدم! بس اتنا کافی ہے۔ پھر جب گھر بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اب اس کا طواف کرو، اور پھر انہیں بتایا گیا کہ تم دنیا کے سب سے پہلے انسان ہو جس نے اس کا طواف کیا ہے اور یہ (زمین پر) سب سے پہلا گھر ہے۔

خانہ کعبہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے انتہائی مقدس، بابرکت اور بے پناہ عظمت کا حامل مقام ہے، جہاں ہر سال پوری دنیا سے ہر نسل، ہر فرقہ اور رنگ کے مسلمان اکٹھے ہو کر فریضہ حج ادا کرتے ہیں۔ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور اپنے گناہ معاف کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں۔

خانہ کعبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر تعمیر کیا تھا۔ مکہ مکرمہ شروع دن سے آج تک ایک اہم مقام ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں پر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور جب سیلاب سے کعبہ کی دیواروں کو نقصان پہنچا تو سرور کائنات علیہ السلام نے کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی اور پھر اس میں حجر اسود کو رکھنے کے مسئلے کو جس خوش اسلوبی سے طے فرمایا وہ بھی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔

خانہ کعبہ اللہ کا گھر ہے۔ یہ مقدس عمارت اُزلی اور ابدی حرمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت کا مرکز ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات تعمیر کعبہ، عظمت کعبہ اور مسجد الحرام کے تقدس پر روشنی ڈالتی نظر آتی ہیں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ مرغزار بہشت سے روئے زمین پر اُتارے جانے کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت حوا کے درمیان جدائی کر دی گئی تھی، دونوں مختلف مقامات پر فراقِ یار میں محو آہ و بکا تھے، پھر میدانِ عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی اور دونوں جانب مغرب چل پڑے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الہی میں درخواست کی کہ اے پروردگار! جنت کے اندر جس منارہ نور کے گرد میں تیرے لیے سجدہ نیاز لٹایا کرتا تھا وہ مجھے یہاں بھی عطا فرما۔ آپ کی دعا پر وہ منارہ نور (خانہ کعبہ کی شکل میں) آپ کو عطا کر دیا گیا اور آپ نے اس کے گرد طواف کر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور عبادت و بندگی کی سوغات پیش کی۔

پھر یہ منارہ نور حضرت شیث علیہ السلام کے زمانے میں چھپ گیا، صرف حجر اسود باقی رہ گیا تھا تو آپ نے خانہ کعبہ کی تعمیر نو فرمائی اور سنگ اسود کو اس کے ایک گوشے میں نصب فرما دیا۔ پھر طوفانِ نوح کے بعد دیوار کعبہ مدتوں ریت کے ذرات تلے دبئی رہی۔

صدیوں بعد حکم خداوندی پا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کا رخ کیا اور نبی نبی ہاجرہ و اسماعیل کو رہائش پذیر ہونے کے لیے وہیں بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ

آئے۔ پھر جب حضرت اسماعیل بڑے ہوئے تو اُن کی معاونت و معیت میں حضرت شیث علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ کی تلاش کر کے اس کی دوبارہ تعمیر فرمائی۔

کعبہ کی وجہ تسمیہ

خانہ کعبہ کو کعبہ کہنے کی دو وجہ ہے۔ ایک یہ کہ کعب کے لفظی معنی ہیں اُٹھا ہوا ہونا یا اونچا ہونا، ٹخنے کو کعبین کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ ابھرے ہوتے ہیں؛ تو چوں کہ کعبہ کی سطح، سمندر سے اونچی ہے یا پھر اس کی اپنی عظمت و رفعتِ شان کی وجہ سے اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مکعب بقاعدہ اقلیدس وہ ہے جس کو چھ برابر کی سطح گھیریں، اگرچہ بنائے ابراہیمی میں کعبہ بشكل مستطیل تھا لیکن نزولِ قرآن کے وقت بشكل مکعب تھا یعنی اس کی لمبائی، چوڑائی اور بلندی برابر تھی اس لیے اس کو کعبہ کہا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔^(۱)

تعمیر کعبہ کے مختلف مراحل

ایک قول کے مطابق خانہ کعبہ کوئی گیارہ مرتبہ تعمیر و تعمیر اور تراش خراش کے مختلف مرحلوں سے گزرا ہے۔ اس کی پہلی تعمیر فرشتوں کے ذریعہ عمل میں آئی۔ دوسری تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی۔ تیسری مرتبہ حضرت شیث علیہ السلام کے ذریعہ اس کی تعمیر ہوئی۔ چوتھی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ پانچویں مرتبہ قومِ عمالقہ نے اس کی تعمیر کی۔ چھٹی بار قبیلہ جرہم نے۔ ساتویں مرتبہ سردارِ مکہ قصی نے۔ آٹھویں مرتبہ قبیلہ قریش نے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرما جانے

(۱) تفسیر نعیمی: ج ۸۲۶، بحوالہ حیرت انگیز معلومات۔

کے بعد نویں مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعمیر کی۔ دسویں مرتبہ حجاج بن یوسف کے دور میں اس کی مرمت ہوئی۔ اور گیارہویں مرتبہ ترکی کے سلطان مراد پنجم کے ذریعہ عمل میں آئی۔ (۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر نو بار عمل میں آئی۔ پہلی تعمیر ملائکہ نے کی۔ دوسری حضرت ابراہیم نے۔ تیسری قوم عمالقمہ نے۔ چوتھی قبیلہ جرہم نے۔ پانچویں قصی بن کلاب نے۔ چھٹی قریش نے۔ ساتویں عبداللہ بن زبیر نے۔ آٹھویں حجاج بن یوسف نے، اور نویں سلطان مراد بن احمد خان شاہ قسطنطنیہ نے۔ (۲)

جب کہ سیرت حلبیہ کی ایک روایت کے مطابق خانہ کعبہ کی تعمیر صرف تین مرتبہ ہوئی۔ پہلی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی۔ دوسری مرتبہ قریش نے اور تیسری بار حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے۔ ملائکہ، حضرت آدم، اور حضرت شیث علیہما السلام کا تعمیر کرنا ثابت نہیں ہے اور جہاں تک رہی بات قبیلہ جرہم، قوم عمالقمہ، قبیلہ قریش اور قصی بن کلاب کی تو انھوں نے صرف کعبہ کی مرمت اور تزئین میں حصہ لیا از سر نو کعبہ کی تعمیر نہیں کی۔ حقیقت کا علم صرف اللہ کو ہے۔ (۳)

کتب تفسیر میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے کی تھی: کوہِ حرا، طورِ سینا، طورِ زیتا، کوہِ لبنان، اور کوہِ جودی۔ (۴)

تعمیر ابراہیمی کے وقت کعبہ معظمہ کی بلندی نو ہاتھ تھی اور رکنِ اَسود سے رکنِ شامی تک اس کی چوڑائی تینتیس ہاتھ۔ رکنِ شامی سے رکنِ غربی تک بائیس ہاتھ۔ رکنِ غربی سے

(۱) حاشیہ جلالین: ۲۸۱..... بخاری: ۲۱۵۔ گیارہویں تعمیر کا ذکر ذیل کی انگلش کتاب میں مذکور ہے۔

Islam, Spirit and Form, By: Osman Nuri Topbas: 247,248

(۲) تفسیر نعیمی: ج ۱/۸۲۶، بحوالہ حیرت انگیز معلومات۔

(۳) حاشیہ بخاری: ۲۱۵، بحوالہ حیرت انگیز معلومات۔

(۴) تفسیر بحر العلوم سمرقندی: ۱۱۲/۱۔

رکن یمانی تک اکتیس ہاتھ۔ اور رکن یمانی سے پھر رکن اسود تک بیس ہاتھ۔ اس وقت کعبہ کا دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا جس میں کواڑ وغیرہ نہ تھے، دروازے دو تھے ایک داخل ہونے کا اور ایک نکلنے کا۔ (۱)

خانہ کعبہ مسلمانوں کا نیو کلیس

خانہ کعبہ دنیا کی سب سے بڑی عبادت گاہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ساری دنیا سے بیک وقت سب سے زیادہ انسان جمع ہوتے ہیں، اور یہ عمل قریباً چودہ سو سال سے اسی طرح جاری و ساری ہے۔ طواف کا مطلب خانہ کعبہ کے گرد ایک دائرہ میں گھومنا ہوتا ہے۔ اب آپ ذرا اس بات پر غور کیجیے کہ ایک ایٹم کے مرکز کے گرد اس کے ذرات جس طرح گھومتے ہیں بالکل اسی طرح سورج کے گرد زمین اور دوسرے سیارے گھومتے ہیں، اور یوں ہی زمین کے گرد ایک دائرے میں چاند کی گردش جاری ہے؛ تو سارے نظام میں ایک مماثلت پائی جاتی ہے۔

اگر طواف خانہ کعبہ پر غور کریں تو یہ بھی بالکل اسی نظام کا حصہ ہے، حاجی بالکل اسی طرح خانہ کعبہ کے گرد گھومتے ہیں جس طرح سورج کے گرد سیارے، جس طرح زمین کے گرد چاند اور جس طرح ایٹم کے نیو کلیس کے گرد ایکٹران۔ اس سارے نظام کی مماثلت پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خانہ کعبہ مسلمانوں کا نیو کلیس ہے۔

کعبہ کی مزدوری

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیر کعبہ کا حکم ہوا، تو عظیم باپ اور عظیم بیٹا دونوں بے حد شوق اور بدل و جاں کعبہ کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ ایک ایک پتھر چن کر

لاتے اور کعبہ کی دیواریں تعمیر کرتے۔ دیواریں بلند ہوتی گئیں۔ ساتھ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا پتھر عطا ہوا تھا جس پر کھڑے ہو کر وہ تعمیر کا کام کر رہے تھے۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ جوں جوں دیواریں اونچی ہو رہی تھیں توں توں یہ پتھر بھی بلند ہوتا جا رہا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام تعمیر کعبہ کی اس عظیم مہم میں اپنے والد گرامی کا دست و بازو بنے رہے۔ ایک طرف تعمیر چل رہی تھی اور دوسری طرف دونوں جلیل القدر پیغمبر بارگاہِ خداوندی میں دعا کرتے جا رہے تھے کہ مولا! ہم تیرے مقدس گھر کی تعمیر کر رہے ہیں ہماری یہ محنت و مشقت قبول فرما۔ باری تعالیٰ! ہماری جبینیں ہمیشہ تیرے حضور جھکی رہیں، ہمارے سجدوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ اور ہماری آل و ذریت میں سے اُمت مسلمہ پیدا فرما۔

پھر عرض کیا: باری تعالیٰ! ہم نے تیرے گھر کی دیواریں بلند کر دی ہیں، اور ہم نے اپنی ذریت میں اُمت مسلمہ مانگ لی ہے۔ اے خدائے رحیم و کریم! حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر مجھ تک ہر زمانے میں تو نبی آخر الزماں کے ظہور کا اعلان کرتا رہا ہے۔ سنا ہے یہ سلسلہ نبوت و رسالت اس مقدس ہستی پر جا کر ختم ہو جائے گا۔

وہ رسولِ معظم جس کی خاطر تو نے یہ بزم کائنات سجائی اور کرۂ ارض پر ہزار ہا انبیا و مرسلین کو مبعوث فرمایا..... وہ رسولِ آخر جس کے لیے تو نے ملتوں کو پیدا کیا..... دنیاے رنگ و بو کو آراستہ کیا..... آبشاروں کو تکلم کا ہنر بخشا..... ہواؤں کو چلنے کی خوعطا فرمائی..... وہ رسولِ برحق جس کی خاطر تو نے اپنا جلوہ بے نقاب کیا..... جس کی خاطر تو نے مخلوقات کو پردہٴ عدم سے معمور و وجود میں لایا..... جس کی خاطر تو نے انسانوں کے لیے ہدایت آسمانی کے سلسلے کا آغاز فرمایا۔ اس رسولِ معظم اور اُس نبی آخر الزماں کا اس کائنات میں ظہور ہونے والا ہے!۔

ارشاد ہوا: ہاں اے ابراہیم! ہمارا وہ محبوب رسول آنے والا ہے، بتا تو چاہتا کیا ہے؟ عرض کیا: اے رب کائنات! اگر تو تعمیر کعبہ کی ہمیں کوئی مزدوری دینا چاہتا ہے، اور تعمیلِ حکم میں تجھے ہمیں کچھ عطا کرنا ہے تو بس اتنی عرض ہے کہ اپنے اُس آخری رسول کو میری اولاد

میں مبعوث فرما۔ میری ذریت کو نور محمدی کے جلوؤں سے ہمکنار کر دے۔ میری اولاد کو حضور کی قدم بوسی کی سعادت بخش دے اور مجھے نبی آخر الزماں کا دادا بنادے تاکہ کل قیامت کے دن جب لوگ اپنے اپنے نام و نسب سے بلائے جائیں تو میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دادا کہہ کر بلایا جاؤں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر کھڑے ہو کر اپنی نسل میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی دعا مانگی تھی یہ وہی پتھر تھا جس پر کھڑے ہو کر آپ نے تعمیر کعبہ کا کام سرانجام دیا تھا۔ اس مقدس پتھر کی عظمت پر جان و دل نثار! جس پر کھڑے ہو کر اپنی اولاد میں نبی آخر الزماں کے مبعوث ہونے کی دعا مانگی جا رہی ہے۔

ارشاد ہوا: اے بے جان پتھر! تجھے کچھ خبر ہے کہ تجھ پر کھڑے ہو کر میرے خلیل نے مجھ سے کیا مانگ لیا ہے، اس لمحے کو اپنے سینے میں محفوظ کر لے کہ یہ قبولیت کا لمحہ ہے۔ اس لمحے ہمارے محبوب کی آمد کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس وقت رسولِ کائنات کے ذکرِ جمیل سے روحِ کائنات معطر ہے۔ قدرتِ خداوندی سے وہ پتھر موم ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانِ قیامت تک کے لیے اس پتھر کے اندر پیوست ہو گئے۔

اس پتھر کا اعزاز یہ تھا کہ اس پر کھڑے ہو کر اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر نے اس کے محبوب کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا تو اللہ کے نبی کی نسبت سے وہ پتھر بھی محترم ہو گیا۔ بلاشبہ نسبتیں بڑی عظیم ہوتی ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نسبتوں سے نہ اگر ہو تو محاسن بھی گناہ
وہ شفاعت پہ ہوں مائل تو جرائم بھی قبول

داعیِ مشربِ توحید بھی یہ بات سنے
شاید آجائے اُسے راسِ یہ حرفِ معقول

صرف توحید کا شیطان بھی قائل ہے مگر
شرطِ ایماں ہے محمد کی اطاعت یہ نہ بھول

آپ دیکھیں ناکہ حلب سے لے کر وادی مکہ تک ہزاروں پتھروں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان لگے ہوں گے، بے شمار پتھروں نے کف پائے ابراہیم کو بوسہ دینے کا اعزاز حاصل کیا ہوگا؛ لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ وہ نقوش مٹتے گئے، ماہ و سال کی گرد انھیں اپنے دامن میں چھپاتی رہی اور ان میں سے کسی پتھر کو بھی محفوظ نہیں کیا گیا؛ مگر جس پتھر پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے طلوعِ صبح میلاد کی دعا مانگی تھی، اللہ تعالیٰ سے اس کے محبوب کو مانگا تھا، اور کونین کی دولت کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی آرزو کی تھی وہ پتھر حرمِ اقدس میں مقامِ ابراہیم پر صبحِ قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔

حکم ہوا کہ اس پتھر کو کعبہ کے سامنے گاڑ دو۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اس وقت تک میرے گھر کا طواف مکمل نہیں ہوگا جب تک طواف کرنے والے اس پتھر کے سامنے میرے حضور سجدہ ریز نہ ہو لیں گے؛ تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ یہ تمام انعامات و اکرامات صدقہ ہیں اس پتھر کا جس پر کھڑے ہو کر میلادِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعا کی گئی تھی۔

خانہ کعبہ کا غلاف - عہد بہ عہد -

کعبہ پر غلاف چڑھانے کی ابتدا کب ہوئی اور آج تک اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس تعلق سے مؤرخ کا قلم کوئی قدیم ریکارڈ پیش کرنے سے قاصر ہے؛ لیکن جو روایات علمائے اسلام تک پہنچی ہیں ان کے مطابق کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے کعبۃ اللہ پر غلاف حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چڑھایا تھا؛ تاہم اس روایت کی بابت نہ تو اتنے وثوق سے کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی انکار کیا جاسکتا ہے۔ ہاں! اس تعلق سے سب سے مستند حوالہ اس حدیث مبارک کا ہے جس پر تاریخِ غلاف کعبہ کے تمام مؤرخین نے اتفاق کیا ہے۔

ظہورِ اسلام سے ۷۰۰ برس اور ہجرتِ نبوی سے ۲۲۰ برس قبل یمن کے بادشاہ تبع ابوکرب اُسعد (عہد حکومت ۴۲۵ء) نے خواب میں دیکھا کہ وہ کعبہ شریف پر غلاف چڑھا رہا ہے یہ خواب اس نے کئی بار دیکھا۔ ایک جنگ سے واپسی پر وہ مکہ مکرمہ سے گزرا تو اسے اپنا خواب یاد آیا؛ چنانچہ اس نے یمن سے قیمتی کپڑے کا غلاف بنوا کر خانہ کعبہ پر چڑھایا۔ اسعد نے پہلی بار بایکعبہ کے لیے ایک تالا اور چابی بنوائی۔

شاہِ اُسعد کے بعد یمن کے ہر بادشاہ نے یہ سعادت حاصل کی اور ہر بادشاہ نے کعبہ شریف کے لیے غلاف بنوایا۔ مورخین کی نظر میں یہ واقعہ اس لیے زیادہ درست ہے کہ ایک بار کچھ لوگ اُسعد نامی بادشاہ کو برا بھلا کہہ رہے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسعد حمیری کو برا نہ کہو؛ کیوں کہ اس نے کعبہ پر غلاف چڑھایا تھا۔

یہ غلاف سرخ دھاری دار یمنی کپڑے سے بنایا گیا تھا۔ قریش کے انتظام سنبھالنے سے غلاف کعبہ کی مکمل تاریخ ملتی ہے۔ اس قبیلہ کی روایات زمانہ اسلام تک محفوظ ہیں۔ قریش مکہ ہر سال دس محرم کو کعبہ کا غلاف بدلتے تھے اور اس دن وہ احترام کی خاطر روزہ بھی رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ عرب کے مختلف قبیلے اور ان کے سردار جب بھی زیارت کے لیے آتے تو اپنے ساتھ قسم قسم کے پردے لاتے۔ جتنے لٹکائے جاسکتے وہ لٹکا دیے جاتے باقی کعبۃ اللہ کے خزانے میں جمع کر دیے جاتے۔ جب کوئی پردہ بوسیدہ ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا پردہ لٹکا دیا جاتا۔

زمانہ جاہلیت میں خالد بن جعفر بن کلاب نے کعبہ پر پہلی مرتبہ ریشم کا غلاف چڑھایا تھا جس کی لاگت تمام قبائل قریش میں تقسیم کی گئی تھی۔ اس وقت غلاف ٹاٹ، چمڑے اور دیباچ وغیرہ سے تیار کیے جاتے تھے۔

بنی مخزوم کے ابوربیعہ بن عبد اللہ نامی شخص نے تجارت میں بے حد منافع کمایا تو اس

نے قریش سے کہا کہ ایک سال کعبہ پر غلاف میں چڑھایا کروں گا اور ایک سال تمام قریش مل کر یہ فریضہ انجام دیں گے؛ چنانچہ اس کے مرنے تک یہ معمول رہا۔

زمانہ جاہلیت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان مکہ مکرمہ میں بہت عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کے جد امجد بھی تمام قبائل میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، انہوں نے بڑی سمجھ داری اور فراست سے کام لیتے ہوئے غلاف کعبہ کی تیاری کے لیے خصوصی بیت المال قائم کیے؛ تاکہ تمام قبائل اپنی حیثیت کے مطابق غلاف کعبہ کی تیاری میں حصہ لے سکیں اور کوئی قبیلہ اس سعادت سے محروم نہ رہے۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اپنے خرچ پر غلاف کعبہ چڑھانے کا شرف حضور کی دادی، عباس بن عبدالمطلب کی ماں کو بھی حاصل ہوا تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بچپن میں جب ایک بار حضرت عباس اپنے گھر کا راستہ بھول گئے تو ماں نے منت مانگی کہ عباس گھر آ جائیں تو وہ غلاف نذر کریں گی؛ چنانچہ حضرت عباس جب گھر سلامتی سے تشریف لائے تو انہوں نے یہ منت پوری کی، اور سفید رنگ کا ریشمی غلاف چڑھایا۔ (۱)

اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی غلاف کعبہ کو ذاتی اور اجتماعی طور پر بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے ۵ سال پہلے کعبہ کی تعمیر نو کی تو بڑے اہتمام سے غلاف بھی چڑھایا تھا۔

فتح مکہ کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا تو اس وقت آپ نے غلاف کعبہ کو تبدیل نہیں کیا تھا۔ انہی دنوں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک مسلمان خاتون غلاف کعبہ کو صندل کی خوشبو میں بسانے کا اہتمام کر رہی تھی کہ اچانک تیز ہوا سے آگ، غلاف کعبہ کے پردے پر پڑی، اور اُس پردے میں آگ لگ گئی جو مشرکین مکہ نے چڑھا رکھا تھا۔ (۲)

(۱) نکت الہیمان فی نکت العیام: ۶۷/۱۔ (۲) فتح الباری ابن حجر: ۲۵۰/۵۔

فتح مکہ کی خوشی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کا تیار کیا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف، اسلامی تاریخ میں پہلی بار چڑھانے کا حکم دیا۔ آپ کے عہد سعادت مہد میں دس محرم الحرام کو نیا غلاف چڑھایا جاتا تھا، پھر یہ غلاف، عید الفطر کو اور دوسرا دس محرم کو چڑھایا جانے لگا، بعد ازاں حج کے موقع پر غلاف کعبہ چڑھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نو اور دس ہجری میں جب آپ نے حجۃ الوداع فرمایا تو اس وقت غلاف چڑھایا گیا، اور پھر اس زمانے سے لے کر آج تک ملت اسلامیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ خوبصورت اور قیمتی کپڑے سے تیار کردہ غلاف اسی موقع پر چڑھاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اپنے دور میں مصری کپڑے کا قباطی غلاف چڑھایا کرتے تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہلے پرانا غلاف اُتار کر زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے؛ لیکن بعد میں پھر اس کے ٹکڑے حجاج اور غربا میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ (۱)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسلام کی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے پرانے غلاف پر غلاف چڑھایا اور رسال میں دو مرتبہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی رسم ڈالی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں غلاف کعبہ کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی۔ زمانہ قدیم میں یہ دستور تھا کہ جب حجاج کرام دس محرم تک اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے جاتے تب کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا۔

اسی طریقے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے زمانے میں بھی عمل ہوتا رہا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں دس محرم کے علاوہ ایک

(۱) اخبار مکہ از رقی: ۳۲۷/۱: حدیث: ۲۷۶..... جامع الاحادیث: ۱۸۹/۲۶: حدیث: ۲۸۸۶۰..... فتح الباری ابن حجر: ۲۵۰/۵: حدیث: ۱۴۹۱..... عمدة القاری: ۲۳۷/۹: کنز العمال: ۱۰۱/۱۳: حدیث: ۳۸۰۵۳..... البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۳۱۳/۷: المجموع: ۴۶۰/۷: حاشیہ الجمل: ۱۳۵/۹: فتاویٰ السبکی: ۲۴۶۲۔

اور غلاف عید الفطر کے دن بھی چڑھایا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حجاج بن یوسف نے دیباچ کے غلاف چڑھائے۔ زمانہ جاہلیت میں مختلف لوگ اپنی اپنی طرف سے یہ عمل کرتے تھے؛ لیکن اسلامی دور میں غلاف چڑھانا حکومت کی ذمہ داری قرار پائی۔

مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت کے مطابق ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ہم کعبہ پر غلاف چڑھائیں؟ انہوں نے فرمایا: اب تمہاری طرف سے اس خدمت کو حکمرانوں نے سنبھال لیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے :

كسوة البيت على الأمراء . (۱)

یعنی بیت اللہ کا غلاف حکمرانوں کے ذمے ہے۔

خلفائے بنو عباس نے اپنے ۵۰۰ سالہ زریں دور حکومت میں ہر سال بغداد سے غلاف بنوا کر مکہ مکرمہ روانہ کیے۔ عباسیوں نے اپنے دور حکومت میں غلاف کعبہ کی بنوائی میں خصوصی دلچسپی لی اور اس کو انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب بنایا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے سال میں دو مرتبہ اور مامون الرشید نے سال میں تین مرتبہ غلاف کعبہ کو تبدیل کرنے کا اہتمام کیا۔ خلیفہ مامون الرشید نے سفید رنگ کا غلاف چڑھایا تھا۔

خلیفہ ناصر عباسی نے ۵۷۵ھ تا ۶۲۲ھ کی ابتدا میں سبز اور پھر سیاہ ریشم کا غلاف بنوا کر بھیجا۔ تب سے آج تک سیاہ غلاف ہی چڑھایا جا رہا ہے۔

۵۷۵ھ میں مصر کے بادشاہ ابن ناصر نے غلاف کی تیاری پر اٹھنے والے مصارف کے لیے قاہرہ کے چند دیہات کی آمدنی وقف کر دی تھی وہ ہر سال بڑے تزک و احتشام اور اور شوکت و شان سے غلاف کعبہ تیار کروا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا کرتا تھا۔ روانگی کے موقع پر بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔ غلاف کو محل میں رکھ کر ہر خاص و عام کو زیارت کا موقع دیا جاتا اور جلوس نکالا جاتا تھا، پھر جب غلاف مکہ مکرمہ پہنچتا تو اس کا شاندار استقبال کیا جاتا۔

(۱) اخبار مکہ از رقی: ۳۱۵/۱: حدیث: ۲۶۵۔

۸۱۰ھ میں غلاف کعبہ بڑے خوبصورت انداز میں جاذبِ نظر بنایا جانے لگا جیسا کہ آج بھی نظر آتا ہے۔ مصر پر سلطنت عثمانیہ کے قبضے کے بعد سلیمان اعظم نے سات گاؤں کی مزید آمدنی غلاف کعبہ کے لیے وقف کر دی۔ اس عظیم وقف کی آمدنی سے ہر سال کعبہ کا غلاف مصر سے بن کر آنے لگا۔ اس کے علاوہ خانہ کعبہ کے اندر کے پردے بھی وقتاً فوقتاً اسی وقف سے بنا کر بھیجے جاتے رہے۔ اس زمانہ میں اس وقف شدہ زمین کی کل آمدنی موجودہ زمانہ کے ایک لاکھ پچاس ہزار مصری درہم کے برابر تھی۔

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک غلاف کعبہ مصر ہی سے تیار ہو کر آیا کرتا تھا۔ یہ قاہرہ کے ایک خصوصی کارخانہ میں بنایا جاتا تھا جو صرف غلاف کعبہ ہی تیار کرتا تھا۔ شوال کی ۲۱ تاریخ کو غلاف تیار ہو کر مصر سے مکہ روانہ کیا جاتا، یہ دن مصر میں چھٹی کا دن ہوتا تھا۔ مصر میں یہ دن ایک بہت بڑے تہوار کے طور پر منایا جاتا رہا۔ سلیمان دوم کے عہد حکومت سے غلاف کعبہ مصر سے جاتا تھا۔

سلطان محمود غزنوی نے ایک مرتبہ زرد رنگ کا غلاف بھیجا۔

غلاف کعبہ کے چاروں طرف زری کے کام کی پٹی بنانے اور اس پر کعبۃ اللہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات لکھوانے کا یہ سلسلہ سب سے پہلے ۷۶۱ھ میں مصر کے سلطان حسن نے شروع کیا، اس کے بعد سے آج تک یہ طریقہ جاری ہے۔

غلاف کے ایک طرف سورہ آل عمران کی یہ آیت لکھی جاتی ہے :

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۝
فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ (سورہ آل عمران: ۹۶/۳، ۹۷)

اور دوسری طرف سورہ مائدہ کی یہ آیت رقم کی جاتی ہے :

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ فِيمَا لِلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ
وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَلِكَ لَتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَ
مَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (سورہ مائدہ: ۹۷/۵)
تیسری طرف سورہ بقرہ کی درج ذیل آیات درج کی جاتی ہیں :

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا
إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ ، وَارِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ (سورہ بقرہ: ۱۲۷/۲، ۱۲۸)

اسی طرح چوتھی جانب اس فرماں روا (بادشاہ) کا نام لکھا جاتا ہے جس کی طرف
سے غلاف بنا کر بھیجا گیا ہو۔ اس وقت ان آیات کے نیچے اسی خط اور انداز میں یہ عبارتیں
درج ہوتی ہیں کہ ”یہ غلاف مکہ مکرمہ میں تیار ہوا اور خادم الحرمین الشریفین کی طرف سے
اسے خانہ کعبہ کو بطور تحفہ پیش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔“

تازہ ترین غلاف کی تیاری پر دو کروڑ سعودی ریال خرچ ہوئے ہیں۔

گزشتہ صدی کے آغاز تک غلاف کعبہ دنیا کے سیاسی حالات سے محفوظ رہا۔ جنگیں
ہوتی رہیں، سلطنتوں کے تعلقات بنتے اور بگڑتے رہے؛ مگر خانہ کعبہ کے لیے غلاف
جہاں سے آیا کرتا تھا وہیں سے آتا رہا؛ لیکن گزشتہ صدی کے آغاز میں دنیا کے سیاسی
حالات اس پر بھی اثر انداز ہوئے۔ جنگ عظیم اوّل میں جب ترکی سلطنت جرمنی کے
ساتھ شریک جنگ ہوئی تو اسے اندیشہ ہوا کہ مصر سے غلاف کے آنے میں انگریز رکاوٹ
بنے گا، ایسے میں ترکی نے ایک شاندار غلاف استنبول سے تیار کرا کے حجاز ریلوے کے
ذریعے مدینہ منورہ بھیج دیا۔ عین وقت پر مصر سے بھی غلاف پہنچ گیا، تو ترکی سے آیا ہوا
غلاف مدینہ منورہ میں محفوظ کر دیا گیا۔

۱۹۲۳ء میں شریف حسین اور مصر کے حالات آپس میں خراب ہو گئے اور مصری حکومت نے عین حج کے موقع پر جدہ پہنچے ہوئے غلاف کو واپس منگوالا۔ خوش قسمتی سے اس وقت جنگ کے زمانہ میں بھیجا ہوا ترکی کا غلاف کام آ گیا۔ اسے فوری طور پر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ پہنچایا گیا۔

۱۹۲۵ء میں سلطان ابن سعود اور شریف حسین کی لڑائی کے زمانے میں مصر سے پھر غلاف نہ آیا۔ ابن سعود نے عراق کا بنا ہوا ایک غلاف چڑھا دیا جو شریف حسین نے بنوا کر رکھا ہوا تھا۔

۱۹۲۷ء میں ٹھیک کیم ذوالحجہ کو حکومت مصر نے غلاف بھیجنے سے پھر انکار کر دیا اور ابن سعود کو فوراً مکہ مکرمہ سے ایک غلاف بنوانا پڑا۔ ان تلخ تجربات کی بنا پر مکہ مکرمہ میں ایک ’دار الکسوة‘ قائم کر دیا گیا تاکہ مصر سے آئے دن غلاف نہ آنے کی مصیبت کا مستقل حل نکالا جاسکے۔

۱۹۲۷ء میں شاہ عبدالعزیز السعود نے وزیر مالیات عبداللہ سلیمان المدن اور اپنے فرزند شہزادہ فیصل کو حکم دیا کہ وہ غلاف کعبہ کی تیاری کے لیے جلد از جلد ایک کارخانہ قائم کریں اور غلاف کی تیاری شروع کر دیں چنانچہ انہوں نے فوری طور پر ’دار الکسوة‘ کے نام سے ایک کارخانہ قائم کر کے ہندوستانی کاریگروں کی نگرانی میں غلاف کی تیاری شروع کر دی اور یوں سعودیہ کے کارخانے میں تیار ہونے والا یہ پہلا غلاف کعبہ تھا۔

غلاف کعبہ کی تیاری میں دنیا کا سب سے بہترین کپڑا استعمال کیا جاتا ہے۔ ۶۷۰ کلو گرام خالص سفید ریشم اور ۲۰ کلو گرام مختلف رنگ اس کو رنگنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ کل کپڑا تقریباً ۶۱۰ مربع میٹر ہوتا تھا۔ پورا غلاف کعبہ ۵۴ ٹکڑوں سے بنتا ہے اور ان میں ہر طول ۱۴ میٹر، عرض ۹۵ سینٹی میٹر اور پورے غلاف کی پیمائش ۲۶۵۰ مربع میٹر ہوتی ہے؛ جب کہ غلاف کی پٹی کا گھیر ۴۵ میٹر اور عرض ۹۵ سینٹی میٹر ہوتا ہے جو ۱۶ مختلف ٹکڑوں

کو ملا کر جوڑا جاتا ہے؛ نیز غلاف پر ۵۰ کلو گرام سونے اور چاندی کے دھاگوں سے کشیدہ کاری کی جاتی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس کام کو مشین کی بجائے ہاتھ سے ہی انجام دیا جاتا ہے؛ اس لیے کہ ہاتھ کی کاریگری انسانی کمال کا فنی ورثہ تصور کی جاتی ہے۔

جب حجاج کرام منی کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو ۹ رزی الحجہ کو نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ پردوں کو رسوں سے باندھ کر اوپر اٹھا دیتے ہیں، اور نیچے سے بیت اللہ شریف کے بڑے بڑے کالے رنگ کے پتھر دکھائی دیتے ہیں۔ غلاف کی سلائی اس طرح کی جاتی ہے کہ باب کعبہ، حجر اسود اور رکن یمانی کی جگہ کھلی رہتی ہے۔

خانہ کعبہ کا دروازہ خالص سونے کا بنا ہوا ہے، اور اس کا پردہ نہایت عمدہ اور نفیس کالے ریشم سے بنایا جاتا ہے جب کہ باقی غلاف بھی اسی رنگ کا ہوتا ہے؛ لیکن اس کی دلکش اور جاذب نظر ترتیب و کتابت اس کو دوسرے حصے سے ممتاز بنا دیتی ہے۔ غلاف کے چاروں اطراف میں مربع شکل میں سورہ اخلاص کی کڑھائی کی جاتی ہے۔ غلاف کے اوپر حج سے متعلقہ آیات قرآنیہ اور اس کے نیچے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نام سیم وزر کی پالش شدہ ڈوری سے لکھے جاتے ہیں۔ یہ آیتیں خط ثلث میں لکھی جاتی ہیں جو عربی کا سب سے خوبصورت خط تصور کیا جاتا ہے۔

اللہ جل مجدہ اپنے مقدس گھر کی عظمت و رفعت روز افزوں کرے۔ کعبہ کی معطر معطر فضاؤں میں ہمیں پھر سانس لینے اور ”کعبے کے کعبہ“ کا دل کی آنکھوں سے نظارہ کرنے کی بار بار توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

ابورفقتہ محمد افروز قادری چریا کوٹی

دلاس یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

طوافِ خانہ کعبہ کی فضیلت

خانہ کعبہ کے طواف کے دوران وقوع پذیر ہونے والے عبرت خیز اور سبق آموز واقعات و حکایات کا مطالعہ شروع کرنے سے قبل بہتر ہوگا کہ موقع کی مناسبت سے طوافِ خانہ کعبہ کے کچھ فضائل بھی بیان کر دیے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیت اللہ کے گرد طواف کرنا نماز ہی ہے؛ لیکن (نماز کے برعکس) اس میں کلام کیا جاسکتا ہے؛ لہذا جو طواف کے دوران گفتگو کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ اچھی بات ہی کہے۔ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے مروی کہ تاجدارِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جس نے پچاس مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا جیسا اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیر روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ فرماتے ہوئے سنا: کیا بات ہے کہ میں تمہیں صرف ان دو رکعتوں حجراً سوداً اور رکن یمانی کا ہی استلام کرتے دیکھتا ہوں؟۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا: میں ایسا کیوں نہ کروں، میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان دو رکعتوں کا استلام کرنا گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(۱) جامع الترمذی: ۲۹۳/۳ حدیث: ۹۶۰..... مشکوٰۃ المصابیح ۷/۲ حدیث: ۲۵۷۶..... مسند جامع: ۲۰/۱۱۳ حدیث: ۶۲۷۳..... مسند الصحاح فی الکتاب النسخۃ: ۴۴۰/۲۹ حدیث: ۳۲۳۔

(۲) جامع الترمذی: ۲۱۹/۳ حدیث: ۸۶۶..... جمع الجوامع سیوطی: ۲۳۸۷/۱ حدیث: ۵۵۸۵..... بشارۃ الخبیب بتلخیص الذنوب: ۱۰/۱..... الترغیب والترہیب: ۱۲۳/۲ حدیث: ۱۷۶۳..... العہود والحمد یہ: ۱۰۳۔

اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ جس نے گن کرسات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور پھر دو رکعتیں ادا کیں تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ نیز مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ طواف کرتے ہوئے آدمی کے ہر قدم کے بدلے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اس کے دس گناہ مٹائے جاتے ہیں اور دس درجات بلند کیے جاتے ہیں۔ (۱)

ایک روایت میں یوں بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں رکنوں کو چھونا گناہوں کا کفارہ ہے۔ نیز یہ کہ بندے کے ایک قدم رکھنے اور دوسرا قدم اٹھانے پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کا ایک گناہ مٹاتا ہے اور اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بیت الحرام کا حج کرنے والوں پر روزانہ ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں کے لیے، چالیس نمازیوں کے لیے اور بیس خانہ کعبہ کو (بہ نگاہِ محبت) دیکھنے والوں کے لیے ہوتی ہیں۔ (۳)

حضرت حمید بن ابوسویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ہشام کو بیت اللہ کے طواف کے دوران حضرت عطا بن ابی ریح سے رکن یمانی کے بارے میں سوال کرتے ہوئے سنا تو انھوں نے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اس رکن یمانی پر) ستر فرشتے موکل (مقرر) ہیں جب کوئی شخص یہ دعا مانگتا ہے :

(۱) صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۸/۴ حدیث: ۲۷۹..... مسند احمد بن حنبل: ۳/۲۰ حدیث: ۴۴۶۲۔

(۲) جامع الترمذی: ۲۹۲/۳ حدیث: ۹۵۹..... صحیح ابن حبان: ۱۰/۹۰ حدیث: ۳۶۹۷..... مسند ابویعلیٰ موصلی:

۴۴۳/۱۱ حدیث: ۵۵۵۶..... مشکوٰۃ المصابیح: ۸۰/۲ حدیث: ۲۵۸۰..... کنز العمال: ۸۲/۵ حدیث:

۱۱۹۹۵..... مسند الصحابة فی الکتب الثمينة: ۵۰/۱۷ حدیث: ۳۱۷۔

(۳) الترغیب والترہیب: ۱۸۱/۱ حدیث: ۷۲۲..... جمع الجوامع سیوطی: ۹۰۰/۱ حدیث: ۲۷۹۱..... اتحاف

الخیرة المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ: ۵۷/۳..... کنز العمال: ۳۵/۱۲ حدیث: ۳۴۶۳۰۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ رَبَّنَا اَتَنَا
فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَ فِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ .

یعنی اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عفو و عافیت کا سوال کرتا ہوں۔
اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا فرما
اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

تو اس دعا پر وہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔

جب حضرت عطاء بن ابی ریح طواف کرتے ہوئے رکن اسود پر پہنچے تو ابن ہشام
نے عرض کیا: اے ابو محمد! اس رکن اسود کے متعلق آپ کو کون سی حدیث پہنچی ہے؟ فرمایا:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا: جس نے رکن اسود کو پکڑا گویا اس نے رحمن کا دست قدرت تھام لیا۔

پھر ابن ہشام نے یوں ہی طواف کے متعلق سوال کیا تو حضرت عطاء نے فرمایا: مجھے
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا اور :

سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

پڑھنے کے علاوہ کوئی بات نہ کی تو اس کے دس گناہ مٹا دیے جائیں گے، اس کے
لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس درجات بلند کیے جائیں گے۔ نیز جس نے
طواف کے دوران باتیں کیں اور اسی میں لگا رہا تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس
نے پانی میں اپنا پاؤں ڈالا، اسی طرح اس شخص نے اللہ کی رحمت میں اپنا پاؤں تو ڈالا (مگر
اس کا اسے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا)۔ (۱)

(۱) سنن ابن ماجہ: ۹۸۵/۲ حدیث: ۲۹۵۷..... مشکوٰۃ المصابیح: ۸۲/۲ حدیث: ۲۵۹۰..... جمع البوامع:
۲۵۵۱۸ حدیث: ۱۹۷..... مسند جامع: ۲۳۸/۳۱ حدیث: ۱۳۳۷۵..... کنز العمال: ۳۹۷/۱۲ حدیث:
۳۴۷۵۳..... تلخیص الجبیر: ۲۴۸/۲ حدیث: ۱۰۲۶۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں: جس نے کامل وضو کیا، پھر رکن کا استلام کرنے آیا تو وہ رحمت میں ڈوب گیا اور جب وہ استلام کر لے اور یہ پڑھے :

بسم اللہ و اللہ اکبر أشهد أن لا إله إلا اللہ وحده

لا شریک له و أشهد أن محمداً عبده و رسوله

تو رحمت اسے اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے۔

پھر جب وہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے ہر قدم پر اس کے لیے ستر ہزار نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے ستر ہزار گناہ مٹاتا ہے اور اس کے ستر ہزار درجات بلند فرماتا ہے، نیز ستر (۷۰) رشتہ داروں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پھر جب وہ مقام ابراہیم پر آ کر ایمان و اخلاص اور نیت ثواب کے ساتھ دو رکعتیں ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اولاد اسماعیل میں سے چار غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھتا ہے اور وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ (۱)

حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بارش کے دوران حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ جب ہم طواف مکمل کرنے کے بعد مقام ابراہیم پر حاضر ہوئے اور دو رکعتیں ادا کیں تو حضرت انس نے ہم سے فرمایا: اب نئے سرے سے عمل شروع کرو؛ کیونکہ تمہاری مغفرت ہو چکی ہے۔ پھر فرمایا کہ جب ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بارش کے دوران طواف کیا تھا تو آپ نے ہم سے اسی طرح فرمایا تھا۔ (۲)

(۱) الترغیب والترہیب: ۱۸۲/۱ حدیث: ۷۲۴۰..... اخبار مکہ فاکہی: ۱۰/۲ حدیث: ۵۱۰۔

(۲) ابن ماجہ: ۱۰۴/۲ حدیث: ۳۱۱۸..... مسند جامع: ۴/۲۵۴ حدیث: ۶۶۸..... کشف الخفاء: ۲۶۰/۲۔

اللہ رحمن و رحیم کے نام سے شروع

اور سنگِ اسود بوسے دینے لگا

مفسر قرآن علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ”تفسیر مظہری“ میں سورہ نور کے تحت ایک بڑا انوکھا اور عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور سید کونین وسیلہ دارین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر مکہ معظمہ سے روانہ ہونے لگیں تو انھوں نے پہلے خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر خانۂ کعبہ کے قریب پہنچیں تو اُن کے دل نے چاہا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دیتے چلیں؛ مگر ابھی وہ خود آگے نہ بڑھی تھیں کہ اُدھر سے خود سنگِ اسود اپنی جگہ سے حرکت کر کے آگے بڑھا اور اس نے حضور سرِ اُپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کے بوسے لینے شروع کر دیے۔ (۱)

قربان میں تیری جرات پر!

حضرت عروہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا کہ قریش مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیام مکہ کے دوران جتنی ایذائیں پہنچائی اُن میں سخت ترین اذیت کون سی تھی؟

(۱) تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی: ۵۲۸/۶۔ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان۔

حاشیہ: یہ واقعہ مجھے تفسیر مظہری کے علاوہ مصادرِ عربیہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ملا؛ تاہم واقعے کی ندرت و اہمیت کے پیش نظر اسے شامل کتاب کر لیا گیا ہے۔ اور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ایسے خوارقِ کادق و کوئی بعید بات نہیں!۔ اللہ و سولہ اعلم۔
- چر یا کوئی -

ابن عمر نے جواب دیا کہ ایک دن سرادار ان قریش، حجر اسود کے قریب جمع ہوئے اور انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص کے سلسلے میں ہم نے بے انتہا صبر اور برداشت سے کام لیا ہے۔ اس نے ہمارے عقلمندوں کو بے وقوف کہا۔ ہمارے آباء و اجداد کو گالیاں دیں، ہمارے دین میں کیڑے نکالے، ہماری جماعت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا، اور ہمارے معبودوں کے متعلق توہین آمیز باتیں کہیں۔ واقعتاً ہم لوگوں نے ایک بڑے معاملے پر صبر کیا ہے۔ اسی دوران سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور حجر اسود کو بوسہ دیا، پھر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے قریب سے گزرے۔

اس موقع پر ان لوگوں نے آپ پر فقرے کسے اور آپ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے جن کا اثر آپ کے چہرہ مبارک پر نمودار ہوا؛ لیکن آپ طواف میں مشغول رہے۔ دوسری بار پھر قریشیوں نے اسی طرح کے توہین آمیز الفاظ کہے، اس موقع پر بھی آپ کے روئے انور کا رنگ متغیر ہوا۔ تیسری مرتبہ پھر اہل قریش نے بھپتیاں کسیں، تو اس مرتبہ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا :

أَتَسْمَعُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذَّبْحِ .

یعنی اے گروہ قریش! کان کھول کر سن لو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے، میں تمہارے لیے ذبح یعنی موت کا پیغام لایا ہوں۔

یہ سن کر حاضرین نے اپنی گردنیں نیچی کر لیں اور اس طرح خاموش ہو گئے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ اس تنبیہ کے بعد قریش کے وہ لوگ جو طواف کے دوران آپ کو ایذا پہنچانے میں پیش پیش تھے، آپ کی دلداری کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم! آپ سلامتی کے ساتھ تشریف لے جائیں بخدا آپ نادان نہیں ہیں۔

دوسرے دن وہ لوگ پھر اسی طرح جمع ہوئے اور آپ کا تذکرہ شروع ہوا۔ میں بھی اُن کے ساتھ شامل تھا، وہ لوگ کل کے واقعہ پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ وہ کل ہمیں کیا دے گیا اور ہم نے اسے کیا دیا۔ ذرا سوچو کہ اس نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو ہمیں ناپسند ہے، اور ہم نے اس کے باوجود اسے جانے دیا۔

ابھی یہ ذکر ہو ہی رہا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمودار ہوئے، وہاں موجود لوگوں نے یکبارگی آپ پر یلغار کر دی اور آپ کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور آپ سے اس طرح کے استفسارات کرنے لگے کہ اے محمد! کیا تو ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے؟ کیا تو ہمارے دین کو غلط بتلاتا ہے؟؟، وغیرہ وغیرہ۔

آپ اُن کے ہر سوال کے جواب میں فرماتے کہ ہاں! میں یہی کہتا ہوں، ہاں! میں نے یہی کہا ہے۔ آپ کے جواب سے وہ اور بھی برا فروختہ ہوئے اور ایک قریشی نے آپ کی چادر پکڑ کر گھسیٹنی شروع کر دی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے رو رہے تھے اور اہل قریش سے کہہ رہے تھے کہ تمہارا خانہ خراب ہو، بد بختو! کیا تم ایک شخص کو محض یہ کہنے پر مار ڈالنا چاہتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے۔ اس پر قریش نے آپ کو چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اے عروہ! میں نے نہیں دیکھا کہ قریش نے اس سے قبل آپ کو اس قدر ایذا پہنچائی ہو۔^(۱)

(۱) تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۱۳/۱۰ حدیث: ۱۵۹۸۳..... صحیح ابن حبان: ۵۲۵/۱۴ حدیث: ۶۵۶۷..... مسند احمد بن حنبل: ۲۱۸/۲ حدیث: ۷۰۳۶..... مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۴۲۹/۵ حدیث: ۹۸۱۴..... دلائل النبوة: ۱۶۱/۲ حدیث: ۵۷۸..... المسند الجامع: ۴۷۷/۲۶ حدیث: ۸۷۰۹..... تخریج احادیث الاحیاء: ۲۵۸/۵ حدیث: ۲۲۵۸..... موسوعة الدفاع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱۲۴/۱..... تاریخ الطبری: ۷۲..... مختصر تاریخ دمشق: ۱۵۴/۱..... السيرة النبوية ابن اسحاق: ۸۲/۱..... تاریخ الرسل والملوک: ۴۰۳/۱..... البدایة والنہایة: ۴۶/۳۔

مٹ گئے مٹے ہیں مٹ جائیں گے اعدائے تیرے

حضرت عروہ بن زبیر اور دیگر محدثین سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ اچانک حضرت جبریل علیہ السلام آ کر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپ بھی جبریل کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔

اسی اثنا میں اسود بن ابوزمعه سے آپ کے بغل سے گزرا، تو حضرت جبریل نے سبز کاغذ کا ایک ٹکڑا اس کے چہرے کی طرف پھینکا، اور وہ یکایک اندھا ہو گیا۔

پھر اسود بن عبد یغوث آپ کے پاس سے گزرا۔ حضرت جبریل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا وہ فوراً استسقا کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

پھر ولید بن مغیرہ اپنی چادر گھسیٹے ہوئے گزرا تو جبریل نے اس کے ٹخنے کے نیچے موجود زخم کے نشان کی طرف اشارہ کیا، یہ زخم اسے دو سال قبل اس وقت لگا تھا جب اس کا گزر بنو خزاعہ کے ایک آدمی کے پاس سے ہوا تھا جو اپنے تیروں کو پر لگا رہا تھا، اس کا ایک تیر ولید کی چادر میں پھنس گیا جس کے باعث اُسے ٹانگ پر خراش آ گئی، اسی زخم کے دوبارہ خراب ہونے کے باعث اس کی موت آ گئی۔

پھر عاص بن وائل گزرا، جبریل علیہ السلام نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا، وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر عازم طائف ہوا، رستے میں گر پڑا اور تلوے میں ایک کیل کے گھس جانے کے باعث ہلاک ہو گیا۔

پھر حارث بن طلطلہ گزرا تو جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اسے خون اور پیپ آنے لگی جس کی وجہ سے وہ موت کے گھاٹ اُتر گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کا سر غنہ ولید بن مغیرہ تھا جس

نے ان سب کو اکٹھا کیا تھا۔ (۱)

عفو و درگزر کی اعلیٰ ترین مثالیں

اسلام کی روشن کرنیں چاروں طرف پھیل رہی تھیں۔ مختلف علاقوں کے لوگ اور متعدد قبائل، اسلام قبول کر چکے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کے شدت سے منتظر تھے جب مکہ فتح ہو۔

ہجرت کا آٹھواں سال شروع ہو چکا تھا۔ قریش مکہ ابھی تک بت پرستی میں مبتلا تھے۔ ہدایت واضح بالکل تھی، اور کھلے دلائل کے ساتھ ثابت ہو چکا تھا کہ بت نفع اور نقصان کے مالک نہیں، یہ محض پتھر ہیں، خود انسانوں کے تراشیدہ، خود ان ہی کے بنائے ہوئے۔

اور پھر وہ مبارک دن بھی آ گیا جب تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا۔ اس کے بیس دن گزر چکے تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

ذرا قریش کے متکبر و مغرور اور تو مند جوانوں کو دیکھیں اور ان کے مددگاروں کی طرف نظر دوڑائیں، آج کس طرح ذلیل و خوار ہو کر جان کے خوف سے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ کون سے ظلم اور جرائم ہیں جو انھوں نے نہیں کیے۔ آج وہ تمام صفا پہاڑی کے دامن میں کھڑے ہیں۔

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۵۵۲/۴۔

حاشیہ: اصل میں یہ کفار کے رؤسا اور اشراف تھے جو گاہے بگاہے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا کرتے تھے، اور آپ کو تکلیف دینے اور چیخڑ خانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ یہ پانچ بد بخت تھے اور سب عمر رسیدہ تھے۔ بنو اسد میں سے اسود بن ابی زمعہ، بنو زہرہ میں سے اسود بن عبد یغوث، بنو مخزوم سے ولید بن مغیرہ، بنو سہم سے عاص بن وائل اور بنو خزاعہ سے حارث بن مطلقہ۔ جب ان کی شرارت اور استہزاء انتہا کو پہنچ گئی تو ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے حضرت جبریل نے باذن الہی یہ کارنامہ انجام دیا۔ (ابن کثیر: ۵۵۲/۴)۔

چرا یا کوئی۔

فاتح اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ اسی بیت اللہ میں جہاں سے نکالے گئے تھے۔ آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کرنا شروع کیا، اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے ہیں، کعبہ بتوں سے گھرا ہوا ہے اور آپ فرما رہے ہیں :

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا ۝ (اسراء: ۸۱/۸۲)

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا کہ باطل تو ہے ہی مٹنے کے لیے!

بتوں کو توڑا جا رہا ہے۔ وہ پاش پاش ہو رہے ہیں، اور ساتھ میں قریش کا تکبر و غرور بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ آج سے رب تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے ماننے والوں کا دور شروع ہو رہا ہے۔ اکیلے رب کا جولا شریک ہے۔ بادشاہی اسی کی، حکومت اسی کی، اور تعریف اسی کی۔ آج پھر کعبہ کے درو دیوار اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا سے گونج رہے ہیں۔ سیدنا بلال کی آواز پہاڑ کی چوٹیوں تک پہنچ رہی ہے۔ آج مکہ کا ذرہ ذرہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دے رہا ہے۔ آج محمد رسول اللہ کی عظمت کا پھر ریرا اہرا رہا ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کی خوشی میں بارگاہِ خداوندی میں سجدہ نیاز لٹا رہے ہیں اور سوغاتِ شکر پیش کر رہے ہیں۔ مکہ والوں کی نگاہیں زمین پر گڑی ہوئی ہیں اور دلوں میں اندیشے ہیں کہ آج نہ معلوم ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا!

اعلان ہوتا ہے: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اس کو امان ملے گی، جو بیت اللہ میں آ گیا اس کے لیے بھی امان ہے اور جو اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گیا اس کو بھی امان مل گئی۔

اس کے بعد آپ نے اہل قریش سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اے قریشیو! تمہیں پتا ہے کہ آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟

آواز آئی: آپ سے تو خیر اور بھلائی ہی کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ آپ رحم و کرم والے بھائی اور رحم و کرم کرنے والے بھائی کے بیٹے ہیں۔

صدائے رحمت گونجی: لوگو! آج میں تم سے وہی کچھ کہوں گا جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ! تم سب آزاد ہو۔
اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ معظمہ کے سات چکر لگائے، پھر بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔

فتح مکہ اسلام کی تاریخ کا ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ اس روز اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و وقار بخشا۔ کفر و شرک کو کاری ضرب لگی۔ خانہ کعبہ میں اللہ کا کلمہ گونجا، اور مشرکین سے خانہ خدا ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گیا۔ اور پھر اس دن غنودر گزر رکی وہ مثالیں قائم ہوئیں کہ تاریخ ان کو دہرانے سے قاصر ہے۔

عرش الہی سے بھی بڑا گناہ

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے آتا ہے کہ ایک دن آپ خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ دورانِ طواف آپ نے دیکھا کہ ایک شخص غلاف کعبہ سے لپٹ کر یہ دعا مانگ رہا ہے:

برحمة هذا البيت إلا غفرت لي .

یعنی اے پروردگار! اس گھر کی حرمت کے طفیل مجھے معاف کر دے۔

اس کا یہ اندازِ دعائیں کرا آقاے رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: یہ بتاؤ کہ تم نے گناہ کیا کیے ہیں؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! اتنا سنگین گناہ ہے کہ جس کو بیان کرنے کی میں اپنے اندر تاب نہیں رکھتا!۔

سرکار نے فرمایا: عجیب سی بات ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے گناہ زیادہ ہیں یا زمین کے ساتوں طبق؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے گناہ کے سامنے یہ زمینیں کچھ معنی نہیں رکھتیں!۔
سرکار نے فرمایا: حیرت ہے تم پر۔ چلو یہ بتاؤ کہ تمہارے گناہ بڑے ہیں یا پہاڑ؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! دنیا کے ان پہاڑوں سے میرے اس عظیم گناہ کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا!۔

سرکار نے فرمایا: تو تمہارے گناہ بڑے ہیں یا یہ نیلگوں آسمان؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے گناہ آسمانوں سے بھی بڑے ہیں۔ سرکار نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا گناہ بڑا ہے یا عرشِ الہی؟ عرض کیا: میرے گناہ۔ سرکار نے فرمایا: تو کیا تمہارے گناہ اللہ سے بھی بڑے ہیں؟ عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! اللہ کی شان بلند و برتر ہے۔ سرکار نے پوچھا: تو اب تو بتاؤ تم نے کیا گناہ کیا ہے؟

عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میں ایک دولت مند آدمی ہوں؛ مگر جب کوئی سائل میرے دروازے پر آکر دست سوال دراز کرتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے آگ کا کوئی دھکتا ہوا شعلہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا ہو۔

یہ سن کر شفیق اُمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھ سے دور ہو جاؤ۔ کہیں مجھے بھی اپنی آتش شعلہ فشاں سے نہ جلا دینا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے ہدایت و کرامت کے ساتھ مبعوث فرمایا: اگر تم رکنِ اسود و مقامِ ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر ہزار سال بھی آہ و بکا اور گریہ و زاری کرو حتیٰ کہ تمہارے آنسوؤں سے نہریں بہہ نکلیں اور ان کا پانی درختوں کو سیراب کر ڈالے، پھر تم اسی بجل کی حالت میں مرجاؤ تب بھی تم لتیم ہی ٹھہرو گے اور اللہ تمہیں اوندھے منہ جہنم میں جھونکے گا۔

اے بندہ خدا! کیا تجھے خبر نہ تھی کہ بخیلی (اہل ایمان کا نہیں بلکہ) کافروں کا شیوہ ہے، اور کفار، جہنم کے آتش سوزاں کا ایندھن بنیں گے۔

بربادی ہو تمہارے لیے، کیا تیرے کانوں تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پہنچا تھا :

وَمَنْ يَخْلُ فَإِنَّمَا يَخْلُ عَنْ نَفْسِهِ ۝ (سورہ محمد: ۳۸/۳۷)

وَمَنْ يُوقِ شَحِّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (سورہ حشر: ۱۰)

(۱) ۹/۵۹..... سورہ تغابن: ۱۶/۱۴ (۱)

(۱) تفسیر روح البیان: ۱۵/۳۷ تا ۳۷/۳۷..... نزہۃ المجالس و منتخب النفاکس: ۱۳۱..... احیاء علوم الدین: ۳/۲۵۵؛ لیکن حافظ عراقی نے اسے موضوع، اور بے سند قرار دیا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم - چریا کوٹی -

دستِ مصطفیٰ کی برکت

سیرتِ ابنِ ہشام میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ دورانِ طواف فضالہ بن عمیر - جو ابھی دائرۃ اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا - اور آقا کا جانی دشمن تھا، اس نے دیکھا کہ موقع غنیمت ہے، محمد عربی طواف میں مشغول ہیں، چنانچہ وہ بھی جھوٹ مٹ مصروفِ طواف ہو گیا، ساتھ ہی ایک چھوٹا سا خنجر بھی اپنے بغل میں چھپائے ہوئے تھا، اس اُمید پر کہ جہاں وہ گھات میں آجائیں، وہیں اُن کا کام تمام کر دے۔

چوں کہ کافروں کو عام آزادی دے دی گئی تھی، اور سب کے سب چھٹے پھر رہے تھے، بعض نے زبانی کلمہ تو پڑھ لیا تھا؛ مگر دل میں ابھی تک کفر و جاہلیت کے بت راج کر رہے تھے؛ اس لیے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا ارادہ لے کر بھی کوئی مصروفِ طواف ہوگا۔

چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ دورانِ طواف جب فضالہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغل سے گذرا تو نبی غیبِ داں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تو فضالہ ہے؟ - اس نے عرض کی: ہاں، میں فضالہ ہوں۔

فرمایا: دل میں کیا سوچ رہے، اور کس ارادے سے مصروفِ طواف ہو؟ - کہنے لگا: یا رسول اللہ! ذکرِ الہی میں مشغول ہوں۔ اس کی یہ بات سن کر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: اچھا خدا کا ذکر کر رہے ہو۔ پھر آپ نے اس کے سینے پر ایک ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا کہ اپنے ارادے سے توبہ کرو۔

فضالہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! کائنات میں سب سے زیادہ میرے نزدیک ناپسندیدہ محمد تھے؛ لیکن دستِ اقدس سینے پر لگنے کی دیر تھی کہ میری کاہیہ پلٹ گئی، اور ساری کائنات میں میرے نزدیک محبوب ترین محمد مصطفیٰ ہو گئے۔ (۱)

(۱) عیون الاثر: ۲۰۱/۲..... سیرتِ ابنِ ہشام: ۴۱۷/۲..... شفا قاضی عیاض: ۳۵۳/۱۔

یا محمد ﷺ! انصاف سے کام لیجیے

حضرت عبداللہ بن حارث کے غلام جناب ابوالقاسم مقسم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں تلید بن کلاب لیشی کی معیت میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے جوتے ہاتھوں میں لیے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ جنگ حنین کے دن جب اُس تمیمی نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کلام کیا تھا تو کیا آپ اس وقت موجود تھے؟۔

فرمایا: ہاں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ذوالنویصرہ نامی ایک شخص قبیلہ بنی تمیم سے آیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مال غنیمت تقسیم فرمانے میں مشغول تھے۔ آپ کے سر پر کھڑا ہو کر وہ کہنے لگا: اے محمد (ﷺ)! میں دیکھ رہا ہوں کہ آج آپ تقسیم میں کیا کر رہے ہیں؟۔

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا تو تم نے کیا دیکھ لیا؟۔
 بولا: یہی دیکھ رہا ہوں کہ آپ انصاف سے کام نہیں لے رہے ہیں!۔
 (اس کی یہ بکواس سن کر) چہرہ نبوت پر غضب کے آثار نمودار ہو گئے اور فرمایا: تیرا خانہ خراب! اگر میں ہی عدل نہ کروں تو پھر دنیا میں عدل کہاں ہوگا؟۔

اُدھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے باہر ہو رہے ہیں، اپنے غصے کو ضبط نہ کر سکے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں تاکہ اس بد بخت نامراد گستاخ رسول کی گردن اڑا دوں؟۔

رسول غیب داں علیہ السلام نے فرمایا: نہیں ایسا نہ کرو، اسے اپنے حال پر چھوڑ دو؛ کیوں کہ (میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ میری اُمت میں) اس کی سی فکر و سوچ کے بہت سے حاملین پیدا ہوں گے، جنہیں بظاہر دین میں تو تعق اور کمال حاصل ہوگا، مگر حقیقت یہ ہوگی کہ وہ دین سے ایسے ہی نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل چکا ہوتا ہے۔ اور پھر تمہیں

پیکان و تیر میں کچھ بھی نہ ملے گا؛ کیوں کہ وہ تو، لید اور خون سے آگے گزر چکا ہے۔ (۱)

مقام مردِ مومن

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ دورانِ طواف آپ نے کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے کعبۃ اللہ! بے شک تیرا رتبہ بلند ہے اور تو عظمت کا حامل ہے؛ مگر مومن کی عزت و حرمت اور اس کا مقام و مرتبہ اللہ کی نگاہ میں تجھ سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔ الفاظِ حدیث یوں ہیں :

مرحبا بک من بیت ما أعظمک، و أعظم حرمتک و للمؤمن أعظم عند الله حرمة منك . (۲)

ایک دوسرے مقام پر آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں فرمایا :
ما أطيبک و أطيب ريحک، ما أعظمک و أعظم حرمتک،
و الذي نفس محمد بيده، لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة
منک ماله و دمه و أن نظن به خيرا . (۳)

یعنی (اے کعبہ!) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے۔ تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے!۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! مومن کے جان و مال کی حرمت، اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔ اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہیے۔

(۱) السنۃ لابن ابی عاصم ۴۵۷/۲: حدیث: ۷۷۷..... السنۃ لعبد اللہ بن احمد: ۴۲۱/۳: حدیث: ۱۳۷۷۔

(۲) سنن ابن ماجہ: ۴۱۸/۱۱: حدیث: ۳۹۲۲..... شعب الایمان بیہقی: ۴۱/۹: حدیث: ۳۸۵۳..... مسند الشامیین: ۱۶۵/۵: حدیث: ۱۵۳۸..... صحیح ابن حبان: ۵۵۵/۲۴: حدیث: ۵۸۵۷۔

(۳) سنن ابن ماجہ: ۴۲۹/۲: حدیث: ۳۹۳۲..... مسند شامیین طبرانی: ۳۹۶/۲: حدیث: ۱۵۶۸..... الترغیب والترہیب منذری: ۲۰۱/۳: حدیث: ۳۶۷۹۔

حضرت مولاے روم نے اپنی اس رباعی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔
 دل بدست آور کہ حج اکبر است از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
 کعبہ گم گاہِ خلیل آزر است دل گزر گاہِ جلیل اکبر است
 حضرت ابو عبد اللہ بن فضل بلخی اس کی صوفیانہ تشریح کرتے ہوئے سخن پرداز ہیں :
 مجھے تعجب ہے اس آدمی پر جو خانہ کعبہ تک جانے کے لیے کوہ و دمن اور دشت
 و صحرا کو طے کرتا ہے تاکہ وہاں انبیاء علیہم السلام کی نشانیاں دیکھے۔ مگر اپنے نفس
 اور نفسانی خواہشات کی سرحد کو عبور کر کے اپنے حرم دل تک نہیں پہنچتا؛ حالاں کہ
 کعبہ دل میں اُس کے مالک و مولا کے آثار ہویدا ہیں۔

مطلب یہ کہ دل معرفت حق کا مقام ہے اور اس کعبہ سے عظیم تر ہے جس طرف جبین
 بندگی خم ہوتی ہے؛ یعنی خلقِ رو بہ قبلہ ہوتی ہے جب کہ حق رو بہ دل ہوتا ہے۔^(۱)
 مذکورہ حدیث پاک کو دیکھیں اور عہد رواں کے کچھ خاص نام نہاد جہادیوں کو دیکھیں
 تو افسوس ہوتا ہے کہ ہم تعلیماتِ محمدی کی روح سے کس طرح یکسر بیگانہ ہو چکے ہیں۔
 ہماری زندگیوں میں کتنا تضاد پایا جانے لگا ہے کہ ایک طرف تو ہم خانہ کعبہ کی طرف منہ
 کر کے تعظیم و احترام کے خیال سے تھوکتا بھی گوارا نہیں کرتے؛ لیکن دوسری طرف ہم
 مسلمانوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کے ساتھ کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کرتے!۔
 یقیناً یہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کا وقت ہے کہ کہیں ہمارا طرزِ عمل منافقت
 کا آئینہ دار تو نہیں!؟؟۔

شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل
 ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کرنے لگے۔ طواف کے دوران فضالہ بن عمیر آپ کی طرف

(۱) کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گورہ: ۲۲۰۔

بڑھے جودل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے طواف کرنے لگے۔ اُن کا ارادہ تھا کہ موقع پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں۔ وہ آپ کے قریب آئے تو آپ نے انھیں دیکھ لیا۔ آپ اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: 'کیا فضالہ ہو؟'۔ انھوں نے جواب دیا: جی، یا رسول اللہ! فضالہ ہوں۔

آپ نے دریافت کیا: تمہارے دل میں ابھی کیا بات آئی تھی؟۔ فضالہ نے کہا: کچھ بھی نہیں، میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور کہا: استغفر اللہ۔ فضالہ کہتے ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا تو میرا دل پُر سکون ہو گیا۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ نہیں ہٹایا تھا کہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ دنیا میں آپ سے بڑھ کر مجھے کوئی عزیز نہیں۔

اس کے بعد فضالہ گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں انھیں وہ عورت ملی جس سے اُن کی دوستی رہی تھی۔ عورت نے انھیں دیکھتے ہی کہا: فضالہ! آؤ، ذرا کچھ ہمارے پاس بھی بیٹھ لو۔ فضالہ نے نفی میں جواب دیا، اور یہ شعر پڑھے :

قالت هلم إلى الحديث فقلت لا يا أبا عليك الله والإسلام
لو ما رأيت محمداً و قبيلته بالفتح يوم تكسر الأصنام
لرأيت دين الله أضحى بيّنا والشرك يغشى وجهه الأظلام
یعنی اس نے کہا: آؤ باتیں کریں۔ میں نے کہا: نہیں۔ اللہ اور اسلام تمہاری یہ بات نہیں مانتے!۔ اگر تم فتح کے دن محمد اور اُن کے زمرے کے افراد کو دیکھتی جس دن بت ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ تم دیکھتی کہ اللہ کا دین غالب آچکا ہے اور شرک کا چہرہ تاریکیوں نے ڈھانپ لیا ہے۔

بعد کے دنوں میں حضرت فضالہ بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ (۱) بلاشبہ نرمی جس شے میں ہوا سے زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال لی جائے وہ بدنما ہو جاتی ہے۔

دنیا کا بدترین انسان کون؟

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں طواف کرنے کی سعادت حاصل کر رہا تھا۔ تو میں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ بتائیں کہ لوگوں میں برا ترین انسان کون ہے؟۔

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے منہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ پھر میں نے یہی سوال دہرایا تو آپ نے مجھ سے اعراض فرمایا اور جواب سے محروم رکھا۔ تیسری بار جب میں نے یہ سوال پیش کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا :

شرار العلماء .

یعنی برے علما (انسانوں میں سب سے بدتر ہیں)۔ (۱)

کیا بات ہے اُس دیوانے کی

حضرت ابو یونس بابلی سے مروی کہ میں نے مکہ شریف میں ایک رومی الاصل قصہ گو شخص کو سنا کہ وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کر رہا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بیت اللہ شریف کا طواف کرتا اور اپنی دعا میں ’اُوّہ اُوّہ‘ کرتا۔ جب اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ’اُوّہ‘ یعنی بہت زیادہ دعا کرنے والا اور دعا میں خشوع و زاری کرنے والا ہے۔

(۱) اکمال ابن عدی: ۳۸۹/۲۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ رات میں جب میں باہر نکلا تو (کیا دیکھتا ہوں کہ اس شخص کا انتقال ہو چکا ہے اور) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت چراغ کی روشنی میں اس شخص کو دفن کر رہے ہیں۔ (۱)

سنگِ اسود نفع و نقصان کا مالک کیسے!

خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۲۴ھ) خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے جب حجرِ اسود کے سامنے ہوئے اور چومنے کے لیے آگے بڑھے تو سنگِ اسود سے مخاطب ہو کر فرمایا :

أني لأعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع ولولا أني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبلك ما قبلتك . (۲)

یعنی اے حجرِ اسود! عمر جانتا ہے کہ تو محض ایک پتھر ہے اور تو میرے سود و زیاں کا مالک نہیں؛ اس لیے یہ نہ سمجھنا کہ عمر کسی نفع کی لالچ میں یا کسی نقصان کے ڈر سے تجھ کو چوم رہا ہے۔ خدا کی قسم! پتھر جان کر اس لیے بوسے دے رہا ہوں کہ محمد مصطفیٰ (ﷺ) کے لبِ تجھ سے لگ گئے ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا!۔

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۲۲۶/۴..... درمنثور: ۱۷۹/۵..... تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۳۸/۷۔

(۲) صحیح بخاری: ۱/۶۱۵ حدیث: ۱۴۹۴..... سنن ابن ماجہ: ۱۲/۹۹ حدیث: ۲۹۳۴..... مسند احمد: ۱/۲۶۷ حدیث: ۲۶۳..... مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/۴۳۲..... اخبار مکہ فاکہی: ۶۰/۱ حدیث: ۵۷..... شعب الایمان بیہقی: ۶۸/۹ حدیث: ۳۸۷۸..... مستخرج ابی عوانہ: ۲۴۳/۷ حدیث: ۲۷۸۹..... مسند ابویعلیٰ موصلی: ۱/۲۰۵ حدیث: ۲۰۲..... مسند حمیدی: ۸/۱۰ حدیث: ۱۰..... کنز العمال: ۷/۱۷۵ حدیث: ۱۲۵۱۰..... نصب الراية فی تخریج احادیث الہدایہ: ۱۱۸/۵۔

پھر آپ رونے لگے اور اتنا روئے کہ آپ کی آواز بلند ہو گئی۔ جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وہاں کھڑا دیکھ کر فرمایا: اے ابوالحسن! یہ وہ جگہ ہے جہاں اشکوں کے سیلاب بہتے ہیں اور دعائیں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پہلے جملے پر ریمارک کرتے ہوئے فرمایا:

یا امیر المؤمنین! بل هو یضر و ینفع .

یعنی اے امیر المؤمنین! حجر اسود وہ پتھر ہے جس کے اندر لوگوں کو نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت اللہ نے رکھی ہے۔

پوچھا: وہ کیسے؟ حضرت علی نے فرمایا کہ میں یہ بات قرآن کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ کتاب اللہ سے اس کا ثبوت کس طرح ہے؟

فرمایا: ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ
عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی ؕ (سورۃ اعراف: ۱۷۲/۷)

اور یاد کیجیے جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو انہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اُٹھے: کیوں نہیں! (تو ہی ہمارا رب ہے)۔

اس طرح جب عالمِ ارواح میں بنی آدم نے اللہ کے رب ہونے اور اپنے بندے ہونے کا اقرار کر لیا تو ان کے اس عہد و پیمان کو تحریری شکل میں محفوظ کر دیا گیا، اور اس پتھر کے پاس (انسانوں کی طرح) دو آنکھیں اور ایک زبان تھی، اللہ نے پتھر سے فرمایا: اپنے منہ کھول؛ چنانچہ اس نے منہ کھول کر وہ نوشتہ میثاق نکل لیا اور عرض کیا: اے اللہ! جو بھی (دنیا میں) اپنے اس عہد کو پورا کرے گا میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا۔

حضرت علی فرماتے ہیں: میں گواہی دے کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے ان کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے :

يُؤْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَ لَهُ ذَلْقٌ يَشْهَدُ لِمَنْ يَسْتَلِمُهُ
بِالتَّوْحِيدِ .

یعنی قیامت کے دن سنگِ اسود کو لایا جائے گا جس کے پاس فصیح و بلیغ زبان ہوگی اور ہر اس شخص کے بارے میں گواہی دے گا جس نے اسے اقرارِ توحید کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا۔ (تو یہ زمین پر اللہ کا راز دان ہے)
تو اے امیر المومنین! حجرِ اسود کے نفع و نقصان کا یہی مطلب ہے۔
یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَعِيشَ فِي قَوْمٍ لَسْتُ فِيهِمْ يَا أَبَا الْحَسَنِ .

یعنی میں ایسے لوگوں میں زندہ رہنے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جن میں ابوالحسن (حضرت علی جیسے دیدہ ورموجود) نہ ہوں۔

یہاں تک مستدرک وغیرہ کی روایت تھی۔ اس کے بعد شیخ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ نے احیاء علوم الدین میں اتنا اضافہ فرمایا ہے :

لهذا استلام کے وقت جب کوئی یہ دعا پڑھتا ہے :

اللَّهُمَّ إِيْمَانًا بَكَ وَ تَصْدِيقًا بِكِتَابِكَ وَ وَفَاءً بِعَهْدِكَ . (۱)

تو اس سے وہی عہد (اور وہی واقعہ) مراد ہوتا ہے۔

(۱) مستدرک حاکم: ۲۲۷/۴ حدیث: ۱۶۳۵..... کنز العمال: ۱۷۷/۵ حدیث: ۱۲۵۲۲..... نصب الراية في تخریج احادیث الهدایة: ۱۷۷/۵..... موسوعة اطراف الحديث: ۱۳۹۴/۱..... الترغیب فی فضائل الاعمال و ثواب ذلک ابن شاپین: ۳۷۲/۱ حدیث: ۳۳۵..... احیاء علوم الدین: ۲۵۲/۱..... الروض الفائق فی المواعظ والرفاق: ۸۲۔

خالق سے حساب کتاب!

روایتوں میں آتا ہے کہ سرکارِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے؛ اچانک گوشِ نبوت سے یہ آواز نکلا کہ اے کریم!۔
پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک اعرابی (بدو) تھا، آپ نے بھی اس کی دلجوئی کے لیے فرمایا:
اے کریم!۔

یہ سن کر اعرابی میزابِ رحمت کی طرف بڑھا اور پھر بولا: اے کریم!۔ تاجدارِ کائنات علیہ السلام نے اس کے پیچھے پھر فرمایا: اے کریم!۔

اب وہ اعرابی پورے طور پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگا: اے نمکیں حسن والے! اور دیدہ زیب قد و قامت کے مالک! کیا میرا اس لیے مذاق اڑایا جا رہا ہے کہ میں ایک اعرابی (اور دیہاتی معلوم ہوتا) ہوں۔

اللہ کی عزت کی قسم! اگر آپ کا چہرہ اتنا حسین و جمیل نہ ہوتا اور آپ کا قد و قامت اتنا موزوں و زیبا نہ ہوتا تو آپ کی اس حرکت کی شکایت میں اپنے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ضرور کرتا!۔

یہ سن کر تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹوں پر تبسم کی لکیریں بکھر گئیں، اور آپ نے فرمایا: اے میرے برادرِ عربی! کیا تو اپنے نبی کو کچھ پہچانتا بھی ہے!۔

کہنے لگا: نہیں، (اُس ماہِ عرب کی زیارت سے میری آنکھیں ہنوز محروم ہیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو آخر تم کس طرح کا ایمان ان کے بارے میں رکھتے ہو؟۔

عرض کی: اگرچہ میں نے انھیں ابھی دیکھا نہیں؛ مگر اُن کی نبوت پر میرا کامل ایمان ہے۔ اور اگرچہ ابھی شرفِ ملاقات نصیب نہیں ہوا؛ مگر ان کی رسالت کی تصدیق سے میرا دل روشن و منور ہے۔

یہ سن کر سید و سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے اعرابی! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جس نبی کی نبوت و رسالت پر تو ایمان لے آیا ہے وہ میں ہی ہوں، اور یہ نبی نہ صرف دنیا میں تیرا معاون ہے بلکہ آخرت میں بھی تجھے اس کی شفاعت سے حصہ ملے گا۔

اتنا سننا تھا کہ اعرابی وجد میں آکر تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست و پا چومنے لگا۔ آپ نے فرمایا: اے برادرِ عربی! اس کی کوئی ضرورت نہیں، یہ تو عجیبوں کا طریقہ ہے، کہ وہ اپنے بادشاہوں کے ساتھ ایسا کیا کرتے ہیں۔ (تیرے دل میں جو محبت و شینگی ہے وہ کافی ہے)۔

یاد رکھنا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے گھمنڈ اور جبر کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ میں حق کے ساتھ (جنت کی) خوش خبری دینے والا، اور (دوزخ سے) ڈرانے والا بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

اتنے میں جبریل امین علیہ السلام بارگاہِ صادق و امین میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو سلام و اکرام بھیجا ہے، اور فرمایا ہے کہ آپ اس اعرابی سے فرما دیجیے کہ اے اعرابی! ہمارے حلم و کرم اور غنودہ و درگزر کا سن کر تم کسی غلط فہمی میں نہ پڑ جانا۔ ہر وقت ذہن نشین رکھنا کہ کل (بروزِ قیامت) ہم ہر چھوٹی بڑی اور اچھی بری ساری باتوں کا حساب لیں گے۔

یہ سن کر اعرابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میرا رب مجھ سے محاسبہ بھی فرمائے گا؟

آپ نے فرمایا: ہاں!، اگر وہ چاہے تو تیرا محاسبہ بھی کرے گا۔

اعرابی تو اعرابی تھا، یہ سن کر کہنے لگا: یا رسول اللہ! قسم بخدا! اگر وہ میرا حساب لے گا تو میں بھی ضرور اس کا حساب لوں گا۔

سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے برادرِ عربی! تو خداے پاک سے بھلا کس بات پر اور کیوں محاسبہ کرے گا؟۔

کہنے لگا: اگر وہ میرے گناہوں پر مجھ سے حساب لے گا، تو میں اس کی مغفرت پر اس سے حساب لوں گا۔ اگر وہ مجھ سے میری خطاؤں پر پوچھتا چھ کرے گا تو میں اس کے عفو و درگزر کی بابت اس سے پوچھتا چھ کروں گا۔ اگر وہ مجھ سے میری کنجوسی کی بابت پوچھے گا تو میں اس سے اس کے جو دو کرم کی بابت پوچھوں گا۔

یہ سن کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمانِ نبوت بھیگ گئیں، اور آپ اتنا روئے کہ ریش مبارک تر بتر ہو گئی۔

جبریل امین دوبارہ نازل ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! بارگاہِ الہی سے پھر سلام آیا ہے، اور اس پر وردگار نے فرمایا ہے کہ اے محمد! اس قدر نہ روئیں کہ آپ کے آنسوؤں نے عرش کے پائے ہلا کر رکھ دیے ہیں، اور آپ کی گریہ وزاری سن کر حاملینِ عرش اپنی تسبیح بھول گئے ہیں۔

اور اپنے برادرِ اعرابی سے فرما دیجیے کہ چلو بات یہیں پر ختم کرتے ہیں کہ ہم تمہارا حساب نہیں لیں گے اور تم ہمارا حساب نہ لینا۔ اور بے شک اس کے مقدر میں جنت میں آپ کی رفاقت لکھ دی گئی ہے۔ (۱)

(۱) یہ واقعہ ہمارے پاس ایک عربی دوست نے نیٹ پر بھیجا تھا، اچھا لگا تو درایت کی کسوٹی پر پرکھے بغیر بس ترغیب و ترہیب کی خاطر ترجمہ کر کے نذر قارئین کر دیا۔ امر واقعہ کیا ہے، اللہ و رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔۔ چریاکوٹی۔

دورانِ طوافِ حضرت عیسیٰ سے ملاقات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں طواف کرنے کی سعادت حاصل کر رہا تھا کہ اچانک آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مقام پر کھڑے ہو کر تبسم فرمانے لگے۔

(طواف ختم کرنے کے بعد) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج خلاف معمول آپ ایک مقام پر ٹھہر کر مسکرا کیوں رہے تھے؟ فرمایا: دراصل حضرت عیسیٰ بن مریم سے ملاقات ہو گئی تھی جو دو فرشتوں کے ساتھ طواف کر رہے تھے۔ انھوں نے مجھے سلام کیا تو میں ان کے سلام کا جواب دے رہا تھا۔^(۱)

الہی! اہل سعادت میں کر دے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے آتا ہے کہ آپ خانہ کعبہ کا طواف کرتے، اور روتے ہوئے خدا کی بارگاہ میں یوں عرض گزار ہوتے:

اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِي فِي اَهْلِ السَّعَادَةِ فَاثْبِتْنِي فِيْهَا، وَاِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ عَلَيَّ الشَّقَاوَةَ فَامْحِنِيْ وَاثْبِتْنِيْ فِيْ اَهْلِ السَّعَادَةِ وَاغْفِرْ لِيْ
فانك تَمْحُوْ مَا تَشَاءُ وَتَثْبِتُ وِعِنْدَكَ اُمُّ الْكِتَابِ . (۲)

یعنی اے پروردگار! اگر تو نے مجھے سعادت مندوں میں لکھ دیا ہے تو مجھے (ہمیشہ) سعادت مند ہی رکھ؛ لیکن اگر تو نے مجھے محروموں اور نامرادوں میں لکھ

(۱) اخبار مکہ فاکی: ۳۰۸/۱ حدیث: ۲۸۲..... اتحاف الخیرۃ المبرۃ بزوائد المسانید العشرۃ: ۵۵/۳۔

(۲) تفسیر طبری: ۴۸۲/۱۶..... تفسیر بغوی: ۳۲۴/۴..... روح المعانی: ۷۰/۱۳..... تفسیر مظہری: ۲۳۶/۵۔

الابانۃ الکبریٰ ابن بط: ۹۹/۴ حدیث: ۱۵۵۰..... کنز العمال: ۷۸۱/۲ حدیث: ۵۰۴۵۔

رکھا ہو تو اُن کی فہرست سے مجھے نکال کر اہل سعادت و مغفرت میں کر دے؛ کیوں کہ تو جس (لکھے ہوئے) کو چاہے مٹا دے اور (جسے چاہے) مثبت فرما دے، اور تیرے ہی پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) ہے۔

حکم کا احترام یوں ہونا چاہیے

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ کسی برص زدہ عورت کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اللہ کی بندی! تو طواف کرنے کی بجائے گھر ہی بیٹھ کر اللہ اللہ کرتی تو کتنا اچھا تھا کہ لوگ کم از کم لوگ تجھ سے ایذا تو نہیں پاتے؛ چنانچہ اس نے طواف کے لیے آنا بند کر دیا اور اپنا گھر لازم پکڑ لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پردہ فرما جانے کے بعد لوگوں نے اس سے جا کر کہا کہ جس نے تمہیں طواف کرنے سے روک دیا تھا وہ اللہ کو پیارا ہو چکا ہے؛ لہذا اب گھر کی چہار دیواری سے نکل اور جی بھر کر خانہ کعبہ کا طواف کر۔

اس موقع پر اس نے اتنا پیارا جواب دیا جو آج زبّیں سے لکھنے کے قابل ہے کہ اے لوگو! خدا کی عزت کی قسم! جس طرح زندگی میں میں نے ان کے حکم کا پاس و لحاظ رکھا، تو اب پس انتقال میں ان کے حکم سے سرتابی کیسے کر سکتی ہوں!۔ (۱)

حق خدمت نہ ادا ہوا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ طوافِ خانہ کعبہ کے دوران دیکھا کہ ایک عورت اپنے والد کو اپنی پشت پر لے کر طوافِ حرم کر رہی ہے۔ اور

(۱) اخبار کہ فاکہی: ۲/۲۳۹ حدیث: ۶۶۱..... جامع الاصول من احادیث الرسول: ۱۵۰۱/۳..... اعتلال القلوب خرائطی: ۱/۴۲۳ حدیث: ۳۹۶..... البیان والتحلیل: ۹/۴۱۰..... فقہ السنۃ: ۷۰۶..... الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۱۴۴/۱..... حسن الاسوۃ بما ثبت من اللہ رسولہ فی السنۃ: ۳۰۱۔

یہی نہیں ملک یمن سے بھی انھیں پیٹھ ہی پر اٹھا کر لائی تھی۔ یہ دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میں نے اس سے ازراہ شفقت کہا: اللہ تجھے تیری اس خدمت کا بہتر صلہ عطا فرمائے، یقیناً تو نے والد کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔

یہ سن کر وہ کہنے لگی: آپ پورا حق ادا کرنے کی بات کر رہے ہیں میں تو سمجھتی ہوں کہ میں آدھا حق بھی ادا نہیں کر سکی ہوں؛ کیوں کہ وہ پوری زندگی مجھے لے کر ڈھوتے رہے اور میری لمبی حیات کے خواہش مند رہے؛ لیکن میں ڈھوتور ہی ہوں لیکن دل کی پوچھیں تو خواہش یہ ہے کہ یہ جلد ہی وفات کر جائیں (تاکہ اس مصیبت سے چھٹکارا ملے)۔ (۱)

داستان ایک متکبر کی

اس کا نام جبلہ بن اسہم تھا۔ وہ غسان کا بادشاہ تھا۔ اس کے دل میں ایمان کی شمع جگمگا اٹھی۔ اس نے اسلام کے بارے میں سنا، اس پر غور و فکر کیا، پھر اسلام قبول کر لیا۔ یہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کی بات ہے۔ مسلمانوں کو اس کے اسلام لانے کی خبر ملی تو بہت خوش ہوئے۔ جبلہ نے سیدنا عمر بن خطاب کو خط لکھا کہ وہ مدینہ منورہ آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ اسے اجازت دے دی گئی کہ تم مدینہ آ سکتے ہو، اس شرط کے ساتھ کہ :

لک ما لنا وعلیک ما علینا .

یعنی تمہارے لیے وہی کچھ ہے جو ہمارے لیے ہے اور تم پر وہی کچھ واجب ہے جو ہم پر واجب ہے۔

جبلہ غسان سے روانہ ہوا، اس کے جلو میں پانچ سو گھڑ سوار تھے۔ وہ مدینہ کے قریب پہنچا تو اس نے شاہی لباس پہنا جس کے دامن پر سونے کی دھاریاں تھیں، پھر اس نے

(۱) تفسیر بحر محیط: ۳۶۹/۱۔

ہیروں اور جواہرات سے مرصع تاج سر پر رکھا۔ اس کے گھڑ سواروں نے بھی بہترین لباس پہنے۔ جب وہ مدینہ میں داخل ہوا تو اہل مدینہ یہ خوبصورت منظر دیکھنے کے لیے باہر نکل آئے، ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

جب وہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کی عزت افزائی کی، اس کا پر تپاک استقبال کیا، اپنی مجلس میں جگہ دی اور اپنے پاس ٹھہرایا۔

اسی دوران حج کے دن آگئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے، جبلہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ خانہ کعبہ دیکھتے ہی جبلہ دیوانہ وار طواف کرنے لگا۔ بنو فزارہ کا ایک مسکین شخص بھی خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا، اتفاق سے اس کا پاؤں شاہ غسان جبلہ کی چادر پر آ گیا۔ جبلہ کو بڑا غصہ آیا، اس نے اسے ایسا زوردار تھپڑ مارا کہ اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

فزاری کو بھی سخت غصہ آیا؛ مگر وہ کوئی جوابی کارروائی نہیں کر سکتا تھا، اس لیے کہ وہ حرم میں تھا؛ مگر اس نے فوراً اپنا مقدمہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں جا کر پیش کر دیا۔

فاروق اعظم نے جبلہ کو بلوایا اور جواب طلبی کی کہ تم نے دوران طواف اپنے مسلمان بھائی کو تھپڑ کیوں مارا؟ تم نے تو تھپڑ رسید کر کے اس کی ناک ہی توڑ ڈالی۔ آخر تم نے ایسا کیوں کیا؟۔ جبلہ نے بڑے غرور سے کہا کہ اس نے میری چادر کو اپنے پاؤں سے مسل دیا تھا، اس کی یہ مجال!۔ اگر مجھے اس مقدس گھر کی حرمت و عزت کی پروا نہ ہوتی تو میں اس کی گردن ہی اڑا دیتا!۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جبلہ! تم نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہے کہ واقعی تم نے اسے تھپڑ مارا ہے، اب تمہاری نجات کے لیے ایک ہی حل ہے کہ کسی طریقے سے اسے راضی کرو؛ ورنہ.....

جبلہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ اس سے بھی بدلہ لیا جاسکتا ہے!، اس نے فوراً پوچھا: ورنہ کیا ہوگا؟۔

ارشاد ہوا کہ اس فزاری سے کہا جائے گا کہ وہ آگے بڑھے اور تمہارے منہ پر ویسا ہی تھپڑ مار کر اپنا بدلہ لے لے!۔

جبکہ کہنے لگا: اچھا! تو کیا وہ مجھ سے بدلہ لے گا؟۔ میں ایک بادشاہ ہوں اور وہ ایک ادنیٰ سا بے حیثیت آدمی!۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اسلام نے سب کو برابر کے حقوق دیے ہیں۔ تم اور فزاری دونوں برابر ہو۔ اسلام کی نظر میں صرف وہی شخص افضل و اعلیٰ ہے جو تقویٰ کے لحاظ سے بہتر ہے۔

جبکہ اس قسم کے مساوی سلوک کا سن کر سانپ سونگھ گیا، اور وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہنے لگا: اس صورت میں میں دوبارہ عیسائی بن جاتا ہوں۔

ارشاد ہوا: جو شخص اپنے دین یعنی اسلام سے پھر جائے، اس کی رو سے اس کی سزا موت ہے۔ اگر تم نے عیسائیت اختیار کی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا!۔

جبکہ کہنے لگا: امیر المومنین! اس صورتِ حال پر غور کرنے کے لیے مجھے کل تک کی مہلت عطا فرمائیں۔ فاروق اعظم نے مہلت دے دی۔

رات کا کچھ حصہ گزرا تو جبکہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ معظمہ سے نکل بھاگا۔ وہ قسطنطنیہ پہنچا جہاں اس نے دوبارہ عیسائیت قبول کر لی۔

زمانہ بیت گیا، اس کی جوانی کا رنگ اڑ گیا، نقوش ماند پڑ گئے، شان و شوکت دھندلا گئی، اسے اسلام کے ایام یاد آ گئے، نماز اور روزہ کی لذت بیدار ہونے لگی، اسے اسلام چھوڑنے پر ندامت ہوئی، زیادہ ندامت اس بات پر ہوئی کہ میں اسلام میں داخل ہونے کے بعد دوبارہ مشرک ہو گیا۔ اس احساس کے باوجود وہ آخری عمر تک عیسائیت پر قائم رہا۔ اس نے آخری عمر میں کچھ اشعار کہے تھے جن کا مفہوم کچھ یوں تھا :

شریف خاندان کے ایک چشم و چراغ نے ایک تھپڑ کے بدلے تھپڑ کھانے میں
سبکی محسوس کی جس کی وجہ سے اسلام سے برگشتہ ہو کر عیسائی بن گیا؛ حالاں کہ

تھوڑا سا صبر کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا!۔

کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔ کاش! میں عمر کی بات مان لیتا۔
کاش! شام میں میری معیشت کا ادنیٰ سا سامان بھی ہوتا تو میں اپنی قوم کے افراد
کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا۔ اب تو میری سماعت بھی ختم ہو رہی ہے اور بصارت بھی
جواب دینے والی ہے!۔

مگر اس احساس کے باوجود اس نے توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول نہیں کیا۔ اور اسے
شرک و کفر ہی کی حالت میں موت آئی۔^(۱)

آنکھیں رو رو کے سجانے والے

حضرت ابن سماک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳۲ھ) کے طواف کی بابت سنا کہ آپ شروع شب سے اخیر شب تک غلافِ کعبہ پکڑ کر
صرف ایک ہی مناجات کرتے :

إليک أنضیت المطی وإلیک تجشمت قطع المفاوز حتی
أنخت بفنائک رجاء کرامتک و جزیل ثوابک .

یعنی (اے بارِ الہا!) میں نے تیری طرف اپنی سواری ہنکادی، اور کوہ و دامن
کی پر پیچ راہیں قطع کر کے تیری بخشش و کرامت کی امید لے کر تیرے گھر کے
صحن میں آ پہنچا۔

اتنا کہہ کر آپ روتے اور آہ و کراہ اور گریہ و بکا کا یہ سلسلہ سپیدہٴ سحر طلوع ہونے تک
جاری رہتا۔ (۲)

(۱) الاستقصاء لاخبار دول المغرب الاقصى، احمد بن خالد الناصری: ۸۳/۱۔

(۲) الرقۃ والبرکاء: ۲۹۲/۱ حدیث: ۲۷۵۔

خانہ کعبہ اور سنگِ اسود

حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم (م ۴۰ھ) سے مروی کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصروفِ طواف تھا، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ اس گھر (خانہ کعبہ کی عظمتِ شان) سے مجھے مطلع فرمائیں۔ جواب ملا: اے علی! اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے گناہوں کو مٹانے کے لیے اس گھر کو دنیا کے اندر تعمیر فرمایا ہے۔

پھر میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس حجرِ اسود کی بابت کچھ ارشاد فرمائیں؟۔ جواب ملا: وہ ایک بہشتی پتھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اُتارا ہے، نزول کے وقت اس سے آفتاب کی شعاعوں کی مانند چمک اور کرنیں پھوٹی تھیں، پھر جب کفار و مشرکین کے ہاتھ اس سے مس ہوئے تو اس کا رنگ بدل گیا اور اس کی سیاہی بڑھتی چلی گئی۔^(۱)

ولادتِ علی مرتضیٰ

محدث ابن جوزی فرماتے ہیں: حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جناب فاطمہ بنتِ اسد خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھیں کہ وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے۔ اسی وقت خانہ کعبہ کا دروازہ کھلا اور جناب فاطمہ بنتِ اسد کعبہ کے اندر داخل ہو گئیں۔ پھر کیا ہوا کہ اسی جگہ خانہ کعبہ کے اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔^(۲)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ بغیر کسی شک و شبہ کے یہ روایت متواتر ہے کہ علی بن ابی طالب - کرم اللہ وجہہ الکریم - شب جمعہ ۱۳/۱۲/۳۰ء

(۱) الروض الفائق فی الوعظ والرفاق: ۸۴۔

(۲) مستدرک حاکم: ۹۰/۱۴: حدیث: ۶۰۸۴۔

عام الفیل، ۲۳ سال قبل از ہجرت، مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کے اندر فاطمہ بنت اسد کے لطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد کوئی بھی شخص خانہ کعبہ کے اندر پیدا نہیں ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت و بزرگی اور وجاہت و کرامت کی وجہ سے خداوند عالم نے اس فضیلت کو ان کے لیے مخصوص فرما دیا۔ (۱)

تیرے ٹکڑوں پہ پلے

شہزادہ رسول جگر گوشہ بتول نور دیدہ علی مرتضیٰ، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۵۰ھ) نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے اس خیال سے بڑی شرم آتی ہے کہ میں خداوند تعالیٰ سے کس طرح ملاقات کروں گا؟ حالاں کہ میں اس کے گھر (کعبہ) تک کبھی پیدل چل کر نہیں آیا، اس کے بعد بیس مرتبہ آپ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ پیدل چل کر حج کے لیے تشریف لے آئے۔

منقول ہے کہ حرمِ الہی میں پہنچ کر آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا، پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ”تحیۃ الطّواف“ پڑھ کر اپنے رخسار مبارک کو مقام ابراہیم پر رکھ دیا اور زار و قطار روتے رہے۔ اور پھر اس طرح دعا مانگنے لگے :

اے میرے پروردگار! تیرا حقیر بندہ تیرے دروازے پر ہے، تیرا خادم
تیرے دروازے پر ہے۔ تیرا بھکاری تیرے در پر ہے۔ تیرا مسکین تیرے
دروازے پر ہے۔

بار بار بکثرت انھیں الفاظ کو دہراتے رہے اور روتے رہے۔ پھر آپ جب حرم شریف سے باہر نکلے تو آپ کا گزر ایسے چند مسکینوں کے پاس سے ہوا جن کے پاس روٹیوں کے ٹکڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا اور وہ اسے کھائے جا رہے تھے۔

(۱) ازالۃ الخفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: ۲۵۱/۲۔

آپ نے ان مسکینوں کو سلام کیا اور جب اُن مسکینوں نے آپ کو کھانے کے لیے بلایا تو آپ فوراً ہی بلا تکلف اُن مسکینوں کے دسترخوان پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اگر یہ روٹیوں کے ٹکڑے صدقہ کے نہ ہوتے تو میں ضرور تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتا؛ مگر چوں کہ ہم آلِ رسول ہیں اور ہمارے لیے صدقہ کا مال کھانا حرام ہے؛ اس لیے میں ان کو نہیں کھا سکتا، پھر آپ اُن مسکینوں کو اپنے ہمراہ اپنی قیام گاہ پر لائے اور ان سب کو سیر ہو کر کھانا کھلایا، پھر سبھوں کو کچھ درہم عطا فرما کر رخصت کیا۔ (۱)

سنگِ اَسود کے بوسے سے منع کر دیا

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ) کی آزاد کردہ لونڈی نے ان کے روبرو ذکر کیا کہ اس نے دورانِ طواف دو یا تین مرتبہ سنگِ اَسود کو چھوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے فرمایا :

لَا أَجْرَكَ اللَّهُ، لَا أَجْرَكَ اللَّهُ تُدَافِعِينَ الرِّجَالَ أَلَا كَبَّرْتَ وَ

مردت . (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ تجھے ثواب نہ دے! اللہ تجھے ثواب سے محروم رکھے۔ تو مردوں کے ساتھ دھکم پیل کرتی ہے۔ تو نے تکبیر کہہ کر (دور سے) گزرنے پر اکتفا کیوں نہیں کیا؟۔

اندازہ فرمائیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نگاہ میں عورت کا مردوں میں گھسنا کس قدر نا پسندیدہ اور قبیح کام ہے۔ اور یہ گھسنا بھی کہاں تھا؟ روئے زمین کی مقدس ترین

(۱) المستطرف فی کل فن مستطرف : ۱۱/۱۔

(۲) مسند شافعی : ۱/۱۲۷ حدیث : ۵۹۵..... معرفۃ السنن والآثار بیہقی : ۱/۸۷۹ حدیث : ۳۰۳۷..... اخبار کہہ فاکہی : ۱/۱۱۰ حدیث : ۱۰۴..... مختصر المزنی : ۱/۴۰۷۔

سرزمینِ حرمِ پاک میں!۔ اور اس حجرِ اسود کو چھونے کی غرض سے جس کا چھونا گناہوں کے جھڑنے کا سبب ہے!!۔

آج بھی حجرِ اسود کو چھونے یا بوسہ دینے کی غرض سے مردوں میں گھسنے والی نادان عورتیں اور دیگر مقامات پر غیر محرم مردوں کے ساتھ اختلاط کرنے والی خواتین اس واقعہ کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لے کر اپنی اصلاح کر سکتی ہیں۔

اس کو پھینک دو، اس کو پھینک دو

ایک مرتبہ دورانِ طواف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت پر صلیب کی شکل والی چادر دیکھی تو انھوں نے اس کو اُتار پھینکنے کا حکم دیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ام عبد الرحمن اذینہ روایت نقل کرتی ہیں کہ ہم ام المومنین حضرت عائشہ کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھیں۔ اس دوران انھوں نے ایک عورت پر صلیب والی چادر دیکھی تو اس سے فرمایا:

اطرحیہ، اطرحیہ فإن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان

إذا رأى نحو هذا فقبضه . (۱)

یعنی اس کو پھینک دو، اس کو پھینک دو؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی چیز دیکھتے تو اس کو چیر دیتے۔

اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ امام احمد نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی کو صفا و مروہ کے دوران صلیب دار چادر اوڑھے سعی کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو اُتارنے کا حکم دیا۔

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۱۲۰/۶، حدیث: ۲۵۱۳۴..... سنن نسائی کبریٰ: ۵۰۴/۵، حدیث: ۹۷۹۲..... مسند جامع: ۴۷۹/۵۰، حدیث: ۱۶۹۰۲۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں برائی کے خاتمہ کے لیے کس قدر شدید تڑپ اور جذبہ موجود تھا۔ بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی انھیں برائی کو مٹانے کی کوشش سے غافل نہ کر سکی۔ آج بھی اگر امت میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے برائیوں کی فضا چھٹتی نظر آئے گی۔

ان دونوں واقعات میں ان سادہ لوح عبادت گزار دایوں، نانیوں اور ماؤں کے لیے بطور خاص نصیحت اور تنبیہ ہے جو کہ گھر کے کونوں میں بیٹھے نوافل، تلاوتِ قرآن اور مختلف اوراد میں مگن دکھائی دیتی ہیں اور ان کے پوتے، پوتیاں، نواسے نواسیاں اور بیٹے بیٹیاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے پروگراموں کے دیکھنے، سننے اور خود کرنے میں مشغول نظر آتی ہیں۔ اللہ ہمارے اندر بھی وہ سچا جذبہ پیدا فرمادے۔

واقعہ تیر کر طواف کرنے کا

علم تفسیر و قرأت کی شہرہ آفاق شخصیت اور ممتاز تابعی بزرگ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عبادتِ الہی کا جو ولولہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۳۷ھ) کے قلب و باطن میں جو شاں تھا وہ میں نے کسی کے اندر نہیں دیکھا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ خانہ کعبہ کا گرد و پیش (مطاف) سیلاب کی زد میں آ جانے کے باعث کوئی طواف کعبہ نہ کر پاتا تھا، لوگ عالم تحریر میں سرگرداں پھر رہے ہیں؛ مگر حضرت عبداللہ بن زبیر کے جذبہ عبادت پر آفرین کہ وہ سیلاب کی لہروں پر تیر تیر کر پورے ہفتے طوافِ خانہ کعبہ کی سعادت سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔ (۱)

(۱) کنز العمال ۱۳: ۳۳۹ حدیث: ۳۷۲۹..... جامع الاحادیث، مسند عبداللہ بن الزبیر: ۳۵/۳۵۵ حدیث: ۳۸۳۲۹..... تاریخ دمشق: ۸/۲۸..... سیر اعلام النبلاء: ۳۷۰۔

اشکوں کی سوغات

حضرت محمد بن علی ابو الحنفیہ (م ۸۱ھ) کے غلام جناب الفح بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی معیت میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب وہ مسجد حرام میں پہنچے اور ان کی نگاہیں خانہ کعبہ سے چار ہوئیں تو بے ساختہ رو پڑے اور اتنا روئے کہ ان کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی۔ مجھ سے رہانہ گیا میں نے عرض کیا: حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان! بڑا اچھا ہوتا اگر اپنے رونے کی آواز کچھ پست فرمالیتے، دیکھیں ناکہ آپ کا گریہ و بکا دیکھ کر لوگوں کی نگاہیں آپ پر گڑ گئی ہیں۔

فرمایا: اے الفح تیرا خانہ خراب!۔ تم کون ہوتے ہو مجھے گریہ و بکا سے باز رکھنے والے۔ میں تو صرف اس لیے رو رہا ہوں کہ شاید میرے مالک و مولا کو میری حالت زار پر ترس آجائے اور اس کی رحمتیں مجھ پر مہربان ہو جائیں تو شاید کل اس کے روبرو سرخرو ہو کر حاضر ہونا نصیب ہو۔

کہتے ہیں پھر وہ مطاف میں اترے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے میں مشغول ہو گئے۔ طواف حرم سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پاس نماز کرنے کے لیے آئے، تو جس وقت انھوں نے سجدے سے اپنے سر کو اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان کی جاے سجدہ ان کے آنسوؤں سے تر پڑ گئی۔ (۱)

مجھے بڑی شرم آتی ہے

حضرت شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ (م ۸۲ھ) حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے۔ آپ پر خوفِ الہی کا بڑا غلبہ رہا کرتا۔ جب کبھی حرم کعبہ میں

(۱) الرقة والبراء ابن ابی الدنیا: ۲۸۱/۱ حدیث: ۲۶۴۔

جاتے تو کہتے: میں خانہ کعبہ کا طواف کس طرح کروں؟ ہائے! مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ جو قدم گناہ کی طرف چل چکے ہوں، میں ان گنہگار قدموں کو خدا کے مقدس گھر کے پاس کس طرح رکھوں۔ یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگتے۔

آپ کے سامنے جب کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے قہر و جلال کا تذکرہ آجاتا تو آپ مرغِ بسمل کی طرح زمین پر تڑپنے لگتے۔ ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ فلاں آدمی بڑا متقی ہے تو آپ نے فرمایا: خاموش رہو! تم نے کسی متقی کو کبھی دیکھا بھی ہے؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ متقی کہلانے کا حقدار صرف وہ شخص ہے کہ اگر اس کے سامنے جہنم کا ذکر کر دیا جائے تو خوفِ الہی کے سبب اس کی روح پرواز کر جائے۔ (۱)

جن کے رتبے ہیں سوا.....

حضرت امام علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ (م ۹۴ھ) کے حوالے سے تبع تابعین میں سے ایک بڑے ولی اللہ نے ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ حرم کعبہ میں رات کے پچھلے پہر لوگ طواف خانہ کعبہ میں مصروف تھے، کچھ لوگ سجدے کر رہے تھے اور کچھ عبادت میں مگن تھے، اسی اثنا میں ایک شخص چہرے پر کپڑا اوڑھے چھپی رات کے اندھیرے میں مقام ملتزم پر رو کر اللہ کے حضور عرض کر رہا تھا :

اے میرے مولا! کائنات میں تیری زمین پر ریت کے اتنے ذرے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں..... سمندروں میں پانی کے اتنے قطرے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں..... درختوں کے اتنے پتے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں۔

اے میرے پروردگار! کائنات میں اول سے آخر تک اس قدر عدد تیری مخلوق کا نہیں جتنا عدد میرے گناہوں کا ہے..... زمین و آسمان کی اتنی وسعت نہیں جتنے میرے گناہ ہیں۔

اے میرے خالق و مالک! اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے تیری بارگاہ میں حاضر ہوں؛ لہذا مجھے معاف فرمادے۔

تابعی بزرگ فرماتے ہیں کہ ساری رات بیت گئی اور وہ اللہ کا بندہ دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔ اس کی چیخ و پکار سن کر ہر شخص کا جگر پھٹا جا رہا تھا۔ فضاؤں میں رونے کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی، اور ہر سوسکیوں کا سماں تھا۔ اس طرح طلوع فجر کا وقت قریب ہو گیا۔

تابعی بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ شخص غلافِ کعبہ پکڑ کر اس قدر رویا کہ خود مجھے ترس آ گیا۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں رونے والے کے پاس گیا۔ اس کا دامن پکڑا اور عرض کیا: مولا! یہ کوئی بڑا گنہ گار، پاپی اور دکھی شخص ہے میں بھی تجھے تیری رحمت کا واسطہ دیتا ہوں اور میں اپنی نیکیاں اس شخص کو دیتا ہوں تو اس گنہ گار کو بخش دے۔

ولی اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص پھر بھی زار و قطار روتا رہا۔ بالآخر میں نے اس کا کپڑا پکڑا اور کہا: اے گنہ گار! اور اپنے گناہوں پر اتنا رونے والے! ذرا کپڑا ہٹا کر چہرہ تو دکھا کہ تو ہے کون؟ میں بھی اللہ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے بخش دے۔

تابعی فرماتے ہیں کہ جب میں نے کپڑا اٹھایا تو ساری رات زار و قطار رونے والے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ان کو دیکھنے کے بعد مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور میں رو کر عرض کرنے لگا: مولا! اگر ان پاکیزہ خصلتوں اور نیک شریعتوں کا یہ حال ہے تو ہمارا کیا حال ہوگا!۔

کچھ اسی طرح کی ایک روایت حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں چاندنی رات میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک ایک غم و اندوہ میں ڈوبی ہوئی آواز پردہٴ سماعت سے ٹکرائی، مجھے تشویش ہوئی کہ ذرا دیکھوں یہ حزن آگیاں آواز کہاں سے آرہی ہے۔ اتنے میں غلافِ کعبہ پکڑے ہوئے ایک

خوبصورت نوجوان پر میری نظر پڑی جو اپنی مناجات میں کہہ رہا تھا :

نامت العیون و غارت النجوم و أنت الملك الحي القيوم و
قد غلقت الملوک أبوابها و أقامت علیها حرسها و حجابها
و بابک مفتوح للسائلین فیها أنا سائلک ببابک مذنباً فقیراً
مسکیناً أسیراً جئت انتظر رحمتک یا أرحم الراحمین .

یعنی آنکھیں سو گئیں، اور سر فلک کھکشا میں دھندلی پڑ گئیں۔ اصلاً تو تو زندہ
جاوید ہمیشہ رہنے والا بادشاہ حقیقی ہے، دوسرے عارضی بادشاہوں نے تو اپنے
دروازے بھی بند کر دیے، پردے بھی گرا دیے اور ان پر پہرے دار بھی کھڑے
کر دیے، لیکن تیرا دروازہ تو منکلوں کے لیے ہمیشہ وار ہوتا ہے۔ تو یہ دیکھ تیری
رحمت و کرم کی آس پر اپنے گناہوں، بے کسی و بے بسی اور مسکینی کا اعتراف کرتے
ہوئے تیرے در دولت پر میں حاضر آ گیا ہوں۔ اے مہربانوں کے مہربان!۔
پھر یہ اشعار گنگنانے لگا :

یا من یجیب دعاء المضطر فی الظلم

یا کاشف الضر و البلوی مع القسم

قد نام وفدی حول البیت و انتبهوا

و أنت یا حی یا قیوم لم تنم

أدعوك ربی و مولای و مستندی

فارحم بکائی بحق البیت و الحرم

أنت الغفور فجد لی منک مغفرة

و اعف عني یا ذا الجود و النعم

إن كان عفوك لا ير جوه ذو جرم

فمن يجرود على العاصين بالكرم

یعنی اے وہ ذات جو عالم بے بسی میں پھنسے لوگوں کی دعائیں قبول کرتی ہے۔

اور خیر و خوبی کے ساتھ کلفت و آفت اور پریشانیوں کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے والے لوگ سوئے بھی اور پھر جاگ بھی گئے؛

مگر تو توحی و قیوم ہے، تجھے نیند تو دور رہی اونگھ بھی نہیں آتی۔

اے میرے ماویٰ و مولا پروردگار! حرم و کعبہ کی عظمت کے صدقے میرے

گریہ و بکا پر ترس کھا کر مجھے معاف فرما دے۔

تو بہت بہت بخشش فرمانے والا ہے تو مجھے بھی اپنی بخشش سے حصہ عطا فرما۔

اور اے نعمت و سخاوت بے بہا فرمانے والے! میری کوتاہیوں کو معاف فرما۔

اگر اہل جرم و خطا تیرے عفو و درگزر کی اُمید نہ رکھیں پھر گنہ گاروں پر احسان

و اکرام کی بخشش کون فرمائے گا!۔

پھر اس نے اپنے سر کو آسمان کی طرف اٹھا کر عرض کرنا شروع کیا :

يا إلهي و سيدي مولاي إن اطعتك فلک المننة علي و إن

عصيتک فبجهلي فلک الحجة علي اللهم فبإظهار منتک علي

و إثبات حجتک لدي ارحمني و اغفر لي ذنوبي و لا تحرمني

رؤية جدي قرّة عيني و حبيبک و صفيک و نبيک محمد

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم .

یعنی اے میرے مولا پروردگار! اگر میں تیری اطاعت بجالاؤں تو یہ تیرا مجھ پر

بڑا احسان ہے۔ اور اگر تیری نافرمانی کروں تو یہ میری نادانی کے باعث ہے اور

تیری حجت مجھ پر قائم ہوگئی۔ اے پروردگار! مجھ پر احسان و انعام کا اظہار فرمانے اور مجھ پر تیری حجت قائم ہو جانے کے صدقے مجھے اپنی رحمت و مغفرت سے سرفراز فرما؛ نیز اپنے حبیب اعظم نبی مکرم اور میرے نور چشم جد معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت سے مجھے محروم نہ فرما۔

اس نے پھر اشعار پڑھنے شروع کر دیے :

ألا أيها المأمول في كل شدة

إليك شكوت الضر فارحم شكائتي

ألا يا رجائي أنت كاشف كربتي

فهب لي ذنوبي كلها واقض حاجتي

فزادي قليل ما رآه مبلغی

على الزاد أبكي أم لبعد مسافتي

أتيت بأعمال قباح رديئة

وما في الوری خلق جنی کجنایتی

یعنی اے وہ ذات مصیبتوں کے نزول کے وقت قطعی طور پر جس کی طرف نگاہ اُمید لگائی جاتی ہے۔ میں نے اپنا دکھڑا تجھی سے سنایا ہے؛ لہذا مجھے مراد آشنا فرما۔
مولا! میری امید ورجا کے سارے رشتے تیری ہی ذات کے ساتھ اُستوار ہیں، اور تو نے میری مشکلیں بھی آسان فرمائی ہیں؛ لہذا میرے جملہ گناہ غلط فرما اور میری منت و ضرورت پوری فرما۔

جہاں تک مجھے پتا ہے میرے پاس سرمایہ اعمال بہت ہی کم ہے۔ اب میں زادِ راہ کی قلت پر آنسو بہاؤں یا بعدِ مسافت پر گریہ کنناں ہوں۔

اپنے خستہ و ناپسندیدہ اعمال لے کر میں تیری جناب میں آ پہنچا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ بھری دنیا میں شاید ہی کسی نے مجھ جیسے گناہ کیے ہوں گے۔

ان اشعار کو وہ بار بار دہراتا رہا؛ یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ میں لپک کر اس کی طرف بڑھا، دیکھا تو وہ (کوئی اور نہیں چشم و چراغِ خانوادہ نبوت) حضرت زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابوطالب تھے۔

میں نے ان کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا اور ان کے شدتِ گریہ و بکا کا سوچ کر میں بھی زار و قطار رونے لگا۔ جب میرے آنسوؤں کا کوئی قطرہ اُن کے رخسارِ مبارک پر گرا تو وہ ہوش میں آ گئے اور اپنی آنکھیں وا کرتے ہوئے پوچھا: یہ کون ہے جس نے میرے ذکرِ مولا میں خلل اندازی کی ہے۔

میں نے عرض کیا: آقا! میں آپ کا خادمِ اصمعی ہوں۔ آپ اس قدر گریہ و زاری کیوں فرما رہے ہیں اور رقت و خوف کا یہ عالم آپ پر کیوں طاری ہے! آپ تو اہل بیت نبوت و رسالت سے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کی شان میں یہ نہیں فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيَطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيراً ۝ (سورہ احزاب: ۳۳/۳۳)

بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) اہل بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک) دور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔

کہتے ہیں کہ جب انھوں نے یہ سنا تو برابر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے اصمعی! کیا باتیں کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جنت اس کے لیے پیدا کی ہے جو اس کی طاعت و بندگی کرے خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اور جہنم اس کے لیے بنائی ہے جو اس کا نافرمان ہو خواہ وہ کوئی قریشی بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝

(سورۃ المؤمنون: ۱۰۱/۲۳)

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن نہ رشتے (باقی) رہیں

گے اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔ (۱)

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی گھوسوی علیہ الرحمہ نے اس واقعہ کے بعد جو چشم کشا تبصرہ رقم فرمایا ہے وہ بڑے خاصے کی چیز ہے، میں اسے یہاں بعینہ نقل کر رہا ہوں، وہ فرماتے ہیں :

اس نورانی حکایات کو بار بار پڑھیے اور عبرت حاصل کیجئے۔ ذرا چشم تصور واکر کے دیکھئے کہ اہل بیت نبوت کے چشم و چراغ، جانشین خاندان آل عبا، نور چشم شہید کربلا، زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عبادت و ریاضت کا کیا عالم تھا؟، اور ان کے خوف و خشیت ربانی کا رتبہ کتنی بلند منزل پر فائز تھا!۔

بلاشبہ آپ علم نبوت کے وارث اور رشد و ہدایت کے نشان اعظم تھے۔ آپ کی خاندانی عظمت و وجاہت کی بلندی پر آسمانوں کی سر بلندیاں بھی قربان! اور آپ کے علمی و عملی کمالات اور علو مراتب پر ثریا کی رفعتیں بھی نثار!!۔

آپ یقیناً سید السادات اور وارث کمالات مولائے کائنات ہیں؛ لیکن اس کے باوجود آپ کے عجز و انکسار کا یہ عالم ہے کہ اصمعی جیسا جلیل القدر عالم اور فن لغت و ادب کا امام جب قرآن پڑھ کر ان کے مراتب علیا کو یاد دلاتا ہے تو آپ اس کو یہ جواب دیتے ہیں کہ قیامت کے دن نہ کوئی رشتہ ہوگا اور نہ کوئی کسی کا پرسان حال!۔

اللہ اکبر! امام مدوح کا سینہ خوف و خشیت ربانی کا ایسا نورانی سفینہ تھا کہ جس میں

(۱) تفسیر حق: ۶۳۶۲/۹..... المستطرف فی کل فن مستطرف: ۱۳۳/۱..... ثمرات الاوراق: ۱۷۳/۱۔

تفاخر بالانساب اور خاندانی بڑائی کا کبھی گزر ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ عجز و انکسار کا ایسا بے مثال مرقع اور تواضع و انکساری کے ایسے بے مثال پیکر تھے کہ آپ کو دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔

آپ کے اس طرزِ عمل میں آج کل کے سادات کرام کے لیے بہت بڑا درسِ عبرت ہے جو اپنی سیادت اور خاندانی شرافت پر ہر دم فخر کرتے رہتے ہیں؛ بلکہ اسی گھمنڈ و غرور میں علوم و اعمالِ صالحہ سے بھی اپنے کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔

کاش! یہ لوگ اپنے دادا حضرت امام زین العابدین کی مقدس زندگی سے سبق حاصل کرتے! اور پیکر تواضع و انکسار بن کر خضوع و خشوع کے ساتھ اپنے رب کریم کی عبادت کرتے اور اپنے علوم و اعمالِ صالحہ کی بدولت اُمتِ رسول کے لیے ذریعہ ہدایت بنتے؛ مگر افسوس کہ آج کل کے بعض مدعیانِ سیادت کا تو یہ حال ہے کہ نہ علم، نہ عمل بس خانقاہ میں لے دے کر ان کی کل کائنات یہی ہے۔

لبوں پہ ہے پدِرم بادشاہ بود کا شور

تفاخر من و تو کے سوا کچھ اور نہیں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی عبادت و ریاضت اور خوفِ الہی سے ان کی گریہ و زاری کا ایک منظر تو آپ نے دیکھ لیا اب ذرا یہ بھی سن لیجیے کہ سفر اور حضر میں کبھی آپ کی نماز تہجد قضا نہیں ہوئی اور روزانہ بلا ناغہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے، اور اپنی زندگی میں دو مرتبہ اپنا سارا مال خدا کی راہ میں خیرات کیا۔

آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ بہت سے غربائے اہل مدینہ کے گھروں میں ایسے پوشیدہ طریقوں سے رقم بھیجا کرتے تھے کہ ان غربا کو خبر ہی نہیں ہوتی تھی کہ یہ رقم کہاں سے آتی ہے؟ مگر جب آپ کا وصال ہو گیا تو غریبوں کو پتہ چلا کہ یہ حضرت امام زین العابدین کی سخاوت تھی! آپ کے تہجد اور نوافل کی کثرت اور راتوں کو آپ کی آہ و

زاری اور گریہ و بیقراری ہی کی وجہ سے تمام امت نے آپ کو زین العابدین کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا اور بلاشبہ آپ اس عظیم الشان لقب کے مستحق ہیں۔ سچ ہے (۱)۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ باتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

طواف کا آغاز کیوں اور کیسے ہوا!

حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد حضرت علی (زین العابدین) کی معیت میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ وہ کچھ آگے تھے اور میں ان کے پیچھے پیچھے چکر لگا رہا تھا۔ اتنے میں ایک کڑیل اور دراز قد نو جوان ان کے سامنے آیا اور اپنے ہاتھ والد گرامی کے کاندھے پر رکھ دیے۔ والد نے اس کی طرف التفات فرمایا تو اس شخص نے کہا: السلام علیک یا بن بنت رسول اللہ۔ اے نواسہ رسول آپ جگ جگ سلامت رہیں۔ مجھے آپ سے کچھ مسئلے پوچھنے ہیں۔

یہ سن کر والد گرامی خاموش ہو گئے اور اپنا طواف جاری رکھا۔ میں اور وہ نو جوان اُن کی مشایعت میں چلتے رہے۔ جب انھوں نے طواف کے سات چکر پورے کر لیے تو حطیم میں داخل ہوئے اور میزاب رحمت تلے کھڑے ہو کر دو رکعتیں ادا کیں، اور ہم بھی ان کے پیچھے کھڑے سنت طواف ادا کر رہے تھے۔

نماز سے فراغت کے بعد وہ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور میری طرف متوجہ ہو کر اشارہ کیا تو میں بھی اُن کے پہلو میں جا بیٹھا۔ اب وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اے محمد! وہ سائل کہاں گیا؟ چنانچہ میں نے اپنی آنکھوں سے اُس نو جوان کی طرف اشارہ کیا تو وہ آیا اور والد کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

(۱) روحانی حکایات: ج ۲، ص ۷۸ تا ۷۹۔

بابا جان نے اس سے کہا: کس چیز کے بارے میں تم سوال کرنا چاہتے تھے؟
 عرض کیا: پوچھنا یہ تھا کہ اس گھر کا طواف کب، کیوں، کہاں اور کیسے شروع ہوا؟۔
 بابا جان نے اس سے کہا: اس کا جواب سننے سے پہلے کیا تم یہ بتانے کی زحمت کرو گے کہ تم
 کہاں سے تشریف لائے ہو؟۔

اس نے کہا: میں اہل شام سے ہوں۔

پوچھا: رہتے کہاں ہو؟۔ کہا: بیت المقدس کے اندر۔ پوچھا: تو کیا تمہیں دو آسمانی
 کتابیں (تورات و انجیل) پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے؟۔ کہا: ہاں!۔

اب والد گرامی اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو کر فرمانے لگے: اے میرے شامی
 بھائی! غور سے سماعت کرنا اور مجھ سے سن کر لوگوں کو سچ بات ہی بتانا (اس میں کسی آمیزش
 سے کام نہ لینا)۔

اس خانہ کعبہ کے طواف کی ابتدا کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے
 ایک مرتبہ فرشتوں سے کہا تھا :

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ (سورہ بقرہ: ۳۰/۳۱)

میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

یہ سن کر فرشتوں نے عرض کیا: پروردگار! کیا تو گروہ ملائکہ کے علاوہ اہل دنیا میں سے
 کسی کو اپنی نیابت و خلافت کی خلعت پہنائے گا؟؛ حالاں کہ وہ فتنہ و فساد اور خوں ریزیاں
 پیا کرتے ہیں، باہم حسد کی آگ میں جلتے رہتے ہیں، اور بغض و عناد اور بغاوت و سرکشی کی
 تاریخ رکھتے ہیں؟۔

پروردگار! اگر تجھے خلیفہ بنانا ہی ہے تو ہم میں سے کسی کا انتخاب فرمالے؛ کیوں کہ
 ہمیں فتنہ و فساد سے کیا سروکار، ہم خوں ریزیاں کیا جانیں، بغض و عناد ہمیں چھو تک نہیں

گیا، ہماری تو زندگی ہی تیری بندگی سے عبارت ہے، ہم کبھی تیری معصیت نہیں کرتے؛ بلکہ ہم تو سراپا تیرے تابع دار ہیں۔

اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا :

إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ O (سورۃ بقرہ: ۲/۳۰)

میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

فرماتے ہیں کہ پھر فرشتوں کو احساس ہوا کہ انھوں نے مرضی مولا کے خلاف گفتگو کر دی ہے، اور ان کی باتوں سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ناراض ہے؛ چنانچہ وہ عرش کے قریب سمٹ آئے، اور اللہ کے غضب کا سوچ کر گریہ وزاری کرنے لگے۔ اور تین گھنٹے تک عرش کا طواف کرتے رہے۔

ان کا یہ عمل دیکھ کر رحمت الہی کو ترس آ گیا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُن پر نگاہِ رحمت فرمادی۔ پھر عرش کے نیچے زبرد و یا قوت سے مزین چارستونوں والا ایک گھر تخلیق ہوا، جس کا نام 'بیت الصراخ' رکھا گیا۔ اب اللہ رب العزت کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوا کہ طواف کرنا ہی ہے تو عرش کا نہیں اس گھر کا کیا کرو۔

چنانچہ فرشتوں نے عرش کو چھوڑ کر اس گھر کا طواف کرنا شروع کر دیا، اور یہ ان کے لیے عرش کے طواف سے کہیں زیادہ آسان تھا۔ اور اصلاً یہی وہ بیت المعمور ہے جس کا ذکر اللہ جل مجدہ نے فرمایا کہ ہر شب و روز اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں؛ مگر پھر دوبارہ ان کی باری کبھی نہیں آتی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ اسی انداز کا ایک گھر زمین پر جا کر تعمیر کرو؛ چنانچہ جس طرح فرشتے آسمان پر بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین پر موجود مخلوقات الہیہ کو حکم ہوا کہ وہ اس گھر کا آ آ کر طواف کیا کریں۔

طوافِ کعبہ کی یہ تاریخ و تعریف سن کر وہ شخص جھوم اُٹھا۔ اور کہنے لگا: اے نواسہ رسول! آپ نے بالکل سچ فرمایا۔ بات کچھ ایسی ہی ہے۔ (۱)

اچھی زندگی کا معیار

حضرت معن بن عیسٰی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ (م ۹۵ھ) کی معیت میں خانہ کعبہ کے طواف کی سعادت حاصل کر رہے تھے کہ اچانک ہم نے اپنے آگے ایک موٹے ٹکڑے آدمی کو طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟
فرمایا: نہیں۔ مجھے بتاؤ یہ کون ہے؟

کہا گیا کہ یہ شعر و شاعری کی دنیا کا مشہور شخص حمید الامجدی ہے، جس نے یہ مشہور زمانہ شعر کہے ہیں۔

حمیدُ الَّذی اُمِّجُ دارہ أخو الخمر ذوالشبیۃ الأضلع
علاہ المشیب علی شربہا و عاش حمیدا و لم ینزع
یعنی وہ حمید ہی ہے جس کا گھر شراب و کباب سے پُر ہے، وہ بوڑھا شراب
نوش ہے جس کے سر کے بال گر چکے ہیں۔
شراب پیتے پیتے اسے بڑھاپے نے آگھیرا۔ اور اس نے بڑی عزت و شان
کی زندگی بسر کی؛ لیکن اس بوڑھے کو شراب سے اپنا ہاتھ کھینچ لینا نصیب نہ ہوا۔
یہ سن کر حضرت سعید بن جبیر نے برجستہ فرمایا:

بل عاش شقیّا و لم ینزع . (۲)

(۱) اخبار مکہ فاکہی: ۸/۱ حدیث: ۵۔

(۲) اخبار مکہ فاکہی: ۱۸۰/۲..... ذم المسکر: ۶۵..... معجم ما سنعجم: ۱۹۰۔

یعنی اس نے عزت و شان کی زندگی نہیں بلکہ شقاوت و حرمان کی زندگی گزاری
تجھی تو اسے شراب سے ہاتھ کھینچنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی!۔

اللہ کے شہروں کو آتی نہیں رو باہی

حجاج بن یوسف، عمرے کی غرض سے مکہ مکرمہ پہنچا۔ وہ اپنے ہمراہ اپنی حفاظت و نگرانی کے لیے بہت سارے سپاہیوں کو لے گیا تھا۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آیا اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوا، اس کے دربانوں اور فوجیوں نے ہتھیار، تلواریں، نیزے اور خنجر زمین پر ڈال دیے۔

یہ واقعہ بیان کرنے والے ایک مشہور عالم ربانی ہیں جنہیں دنیا طاؤس بن کیسان یمانی جندی (م ۱۰۶ھ) کے نام سے جانتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں مقام ابراہیم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں شور و غل اور چیخ و پکار کی آواز سنائی دینے لگی۔

میں نے مڑ کر دیکھا تو حجاج اور اس کے محافظین تھے۔ حجاج بن یوسف مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں یمن کا ایک مسکین آدمی آیا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ مقام ابراہیم کے پاس حجاج بن یوسف بیٹھا ہوا ہے۔ طواف کے دوران اس یمنی مسکین کے کپڑے سے ایک نیزہ پھنس گیا اور حجاج کے بدن پر جا گرا۔ حجاج بن یوسف گھبرا اٹھا اور حکم دیا: اس کو پکڑ لو اور میرے پاس لاؤ۔

سپاہیوں نے یمنی مسکین کو پکڑ کر حجاج بن یوسف کے سامنے پیش کیا۔

حجاج گویا ہوا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟۔

کہا: نہیں۔

حجاج: تم کہاں سے ہو؟۔

کہا: مسلمانوں میں سے ہوں۔

حجاج: میں تمہارے اسلام کے بارے میں نہیں پوچھ رہا ہوں۔

کہا: پھر کیا پوچھ رہے ہو؟

حجاج: میرا مطلب یہ کہ کس ملک سے تمہارا تعلق ہے؟

کہا: یمن سے آیا ہوں۔

پوچھا: یمن میں تمہارا والی (حاکم) کون ہے؟

کہا: حجاج بن یوسف کا بھائی محمد بن یوسف۔ جو اسی کی طرح ظالم و جابر بلکہ اس سے بھی گزرا ہے۔

حجاج: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس کا بھائی ہوں؟

یمنی مسکین: کیا تو حجاج ہے۔

حجاج: ہاں۔

یمنی مسکین: بئس انت وبئس اخوک۔

تم اور تمہارا بھائی دونوں کتنے برے انسان ہو!

حجاج: یمن کے اندر تم نے میرے بھائی کو کس حال میں چھوڑا ہے؟

کہا: جس وقت میں وہاں سے چلا، اس کا حال یہ تھا کہ وہ کھا کھا کر پیٹ بڑا کیے ہوئے ہے۔ اور موٹاپے کے باعث بھینسے کی طرح ہو گیا ہے۔ خوش لباسی و گھوڑ سواری کا بلا کا شوقین ہے اور لوگوں سے زبردستی خراج وصول کر کے اپنے بچوں کے حوالے کر دیا کرتا ہے۔

حجاج بن یوسف نے کہا: میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا، بلکہ میری مراد اُس کی سیرت و کردار اور اس کے عدل و انصاف سے تھی۔

کہا: وہ کیا عدل کرے گا وہ تو خود ہی ظالم و جابر اور دوسروں کا مال ناجائز طور پر

ہڑپ کرنے والا ہے۔ ایسے لوگ کس سیرت و کردار کے مالک ہوں گے!۔
حجاج کہتا ہے کہ تمہیں پتا ہے کہ اس کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے پھر بھی تمہیں اس بے
جگری اور دیدہ دلیری سے بات کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟۔

کہا: اس کا جو مقام و مرتبہ تمہاری نگاہوں میں ہے اللہ کی نگاہ میں میری عظمت و
مرتبہ کے برابر نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ اس وقت میں اس کے گھر مہمان بن کر آیا ہوں۔
میں اس کے آخری نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کا سچے دل سے ماننے والا
ہوں اور اس کے دین کا قاضی و خادم بھی ہوں۔

یہ سن کر حجاج بن یوسف کے منہ پر تالے لگ گئے اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حجاج
سے اجازت لیے بغیر ہی یہ شخص اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی راہ لیتا بنا۔

حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے میں بھی چل پڑا؛ کیوں کہ یہ شخص بلاشبہ
حکیم و بردبار نظر آ رہا تھا۔ خانہ خدا کے قریب آ کر اس نے غلافِ کعبہ پکڑ لیا اور دُعا کرنے
لگا پھر وہ لوگوں کی بھیڑ میں میری نگاہوں سے اوجھل سے ہو گیا۔ شبِ عرفہ ایک بار پھر اس
سے ملاقات ہو گئی، دیکھا کہ وہ اس طرح دعا کر رہا ہے :

اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ لَمْ تَقْبَلْ حَجِّي وَ تَعْبِي وَ نَصْبِي فَلَا تَحْرِمْنِي
الْاَجْرَ عَلٰی مَصِيبَتِي بَتَرَكْ الْقَبُولَ مِنِّي .

یعنی اے پروردگار! اگر میرا حج اور ساری جدوجہد تیری بارگاہ میں مقبول
نہیں ہوئی تو کم از کم اس مصیبت کا اجر عطا فرما جو حج کے ٹھکرادیے جانے کے
باعث مجھے پہنچی ہے؛ (کیوں کہ جس طرح حج کا اجر ہے اسی طرح مصیبت پر
صبر کا بھی اجر ہے)۔

یہ کہہ کر وہ آگے چلتا بنا۔ (۱)

چاند روئے اور ہم نہ روئیں!

حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ زار و قطار روتا ہوا بیت اللہ شریف کا چکر لگا رہا ہے۔ قریب جا کر دیکھا تو وہ (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تلمیذ رشید) حضرت طاؤس تھے۔

حضرت طاؤس پوچھتے ہیں: کیا تمہیں میرا رونا دیکھ کر تعجب ہو رہا ہے؟
میں نے کہا: ہاں۔

فرمایا: رب کعبہ کی قسم! آسمان پر چمکنے والا یہ چاند بھی خشیت الہی میں روتا ہے؛ حالاں کہ اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا ہے؛ (تو ذرا سوچو کہ ہمیں اپنے گناہوں کو یاد کر کے خشیت مولا میں کتنا رونا چاہیے!)۔ (۱)

صحابی کی گستاخی کا انجام

حضرت محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھا کہ ایک شخص کو اس طرح دعا کرتے ہوئے دیکھا:

اللھم اغفر لی، و ما أظن أن تغفر لی .

یعنی اے اللہ! مجھے معاف فرما، لیکن لگتا نہیں کہ تو مجھے معاف کرے گا!۔

میں نے کہا: اللہ کے بندے! غور تو کرو تو بیت اللہ میں کیا بات کر رہا ہے! آخر تجھ سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہو گیا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی مایوسی کی بات کر رہا ہے!۔

(۱) درمنثور: ۱۲۸/۷..... تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۳۸/۷۔

کہنے لگا: سنو! جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ بپا ہوا تو میں باغیوں کے کہنے میں آگیا؛ چنانچہ میں نے یہ نیت کی کہ اگر مجھے حضرت عثمان بن عفان کے چہرے پر طمانچہ مارنے کا موقع مل جائے تو میں ضرور مار دوں گا۔ میں ان کی زندگی میں تو ایسی حرکت نہ کر سکا؛ تاہم جب ان کو شہید کر دیا گیا اور ان کو کفن کر اندر کمرے میں رکھا گیا تو لوگ آکر کمرے ہی میں ان کے چہرے کا دیدار کر رہے تھے۔ میں بھی چہرہ دیکھنے کے بہانے کمرے میں گیا۔ اس وقت وہاں کوئی نہ تھا۔ مجھے موقع میسر آ گیا اور میں نے ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر ایک تھپڑ مار دیا۔ پھر جب وہاں سے ہٹا تو میرا دایاں ہاتھ بالکل خشک گیا اور سوکھ کر ایسا سیاہ ہو گیا جیسے کوئی جلی ہوئی پرانی لکڑی۔

حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے اس بد بخت کے ہاتھ کو دیکھا تو وہ واقعتاً لکڑی کی طرح بالکل سوکھا ہوا تھا۔ (۱)

شاید یہی آنسو باعث بخشش بن جائیں

امام زین العابدین کے شہزادے امام محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ (م ۱۱۴ھ) جن کا لقب باقر ہے حج کے لیے تشریف لے گئے۔ مسجد الحرام میں پہنچے، اور خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی زار و قطار رونے لگے، اور پھر آپ کی آوازِ مبارک بلند ہوتی چلی گئی۔ خدام و مصاحبین کہنے لگے: حضور! لوگوں کی نگاہیں آپ پر جمی ہوئی ہیں، آواز پر قابو کریں اور اس طرح رونا بند کریں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ فرمایا:

(لوگ جو چاہیں وہ کہیں، مجھے لوگوں سے کیا غرض! میں تو ایسا اس لیے کر رہا

ہوں کہ) شاید اللہ تعالیٰ روزِ محشر میری طرف نگاہِ رحمت کر لے اور بخش دے۔

اس کے بعد انھوں نے طواف کیا اور نفل ادا کرنے کے لیے مقام ابراہیم کے پیچھے

(۱) شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعہ لا لکائی: ۴۵۹/۵ حدیث: ۱۹۲۳..... تاریخ دمشق: ۴۳۶/۳۹.....

البدایہ والنہایہ: ۲۱۳/۷۔

کھڑے ہو گئے، سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا گیا کہ سجدہ گاہ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی ہے۔ پھر آپ نے اپنے ایک مصاحب سے فرمایا: تجھے پتا ہے کہ دنیا کیا ہے؟ کوئی سواری جس پر کچھ دیر سوار ہو لیے۔ یا کوئی کپڑا جسے پہن لیا۔ یا کوئی عورت جسے پالیا۔ یا کوئی لقمہ جسے نگل لیا۔

اہل دنیا میں صاحبانِ تقویٰ سب سے کم سامان رکھنے والے، اور سب سے زیادہ لوگوں کی امداد کرنے والے ہیں۔ اگر تم انھیں فراموش کر دو تو بھی وہ تمہیں یاد رکھیں، اور اگر تم انھیں یاد کرو تو تمہاری مدد کریں۔ وہ خدا کا حق بہت زیادہ بیان کرنے والے اور خدا کا حکم بہت زیادہ بجالانے والے ہیں۔ لوگو! دنیا کو ایک منزل سفر سمجھو کہ شب کو اترے صبح کو کوچ کیا۔ یا کوئی مال جسے خواب میں دیکھا اور بیداری پر کچھ پاس نہیں۔^(۱)

موت، نصیحت کے لیے کافی ہے!

اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک (م ۱۲۵ھ) کو کوفہ کی ایک بڑھیا کی نوجوان کنیر کے بارے میں بتایا گیا جو نہایت حسین و جمیل، ذہین و فطین اور ادب آشنا ہونے کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتی تھی۔ اس نے یہ اوصاف سن کر حکم دیا کہ والی کوفہ کو خط لکھو کہ اس کنیر کو اس کی مالکن سے خرید کر میرے پاس بھیج دے۔

ایک خادم یہ خط لے کر کوفہ روانہ ہو گیا۔ جب والی کو یہ حکم نامہ ملا تو اس نے بڑھیا کے پاس ایک آدمی بھیج کر اس کنیر کو دو لاکھ درہم اور پانچ سو مثقال کھجوروں کی سالانہ پیداوار کے حامل کھجوروں کے باغ کے بدلے خرید لیا اور اسے ہشام بن عبدالملک کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

ہشام نے اس کے رہنے کے لیے الگ انتظام کیا جہاں زرق برق لباس، قیمتی زیورات اور اعلیٰ بچھونے موجود تھے۔ ایک دن وہ خوشبو سے مہکے ہوئے کمرے میں نہایت خوشگوار موڈ میں اس کے ساتھ باتوں میں مگن تھا کہ اسے چیخوں کی آواز سنائی دی۔

(۱) روض الریاحین: ۱۱۹، بحوالہ بزم اولیاء: ۱۹۹۔

اس نے آواز کی جانب نگاہیں دوڑائیں تو اسے ایک جنازہ نظر آیا جس کے پیچھے عورتیں چلا رہی تھیں اور ایک عورت کہہ رہی تھی: میرے باپ کو کندھوں پر سوار کر کے مردوں کے پاس لے جایا جا رہا ہے، عنقریب اسے ویران قبرستان میں تنہا دفن کر دیا جائے گا۔

اے ابا جان! کیا آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوا ہے جو اپنا جنازہ اٹھانے والوں سے کہتے ہیں: ذرا جلدی لے چلو..... یا..... آپ کو ان لوگوں میں شامل کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں: مجھے واپس لے چلو! مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟

اس کی یہ بات سن کر ہشام بن عبد الملک کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ اپنی لذت کو بھول کر کہنے لگا: 'موت' نصیحت کے لیے کافی ہے۔

اس کنیز نے کہا: اس عورت نے میرا دل چیر کر رکھ دیا ہے۔ ہشام نے کہا: ہاں! کچھ ایسی ہی بات ہے۔ پھر اس نے خادم کو آواز دی اور بالالخانے سے نیچے اتر گیا جب کہ وہ کنیز وہیں بیٹھی بیٹھی سو گئی۔

اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اس سے کہہ رہا ہے: آج تم اپنے حسن سے دوسروں کو آزمائش میں ڈالتی ہو اور اپنی اداؤں سے دوسروں کو غافل کر دیتی ہو۔ اس دن جب صور پھونکا جائے گا، جب قبریں شق ہوں گی اور لوگ اُن سے باہر نکلیں گے اور انھیں اپنی کرنی کا پھل بھگتنا پڑے گا..... تو کیا ہوگا؟

وہ کنیز گھبراہٹ کے عالم میں بیدار ہوئی اور پانی پی کر اس نے اپنا حلق تر کیا۔ پھر پانی منگوا کر غسل کیا اور زرق برق لباس اور زیورات کی بجائے اونی کپڑے پہنے، ایک لاٹھی ہاتھ میں تھامی اور ہشام کے دربار میں پہنچ گئی۔ جب ہشام اس کو نہ پہچان سکا تو اس نے کہا: میں آپ کی وہی پسندیدہ کنیز ہوں جسے ایک ناصح کی نصیحت نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ آپ مجھ سے اپنی خواہش پوری کر چکے ہیں؛ لہذا اب مجھے غلامی سے آزاد کر دیجیے۔

ہشام نے کہا: میں نے اللہ کی رضا کے لیے تجھے آزاد کیا۔ اب تم کہاں جانے کا ارادہ رکھتی ہو؟ اس نے جواب دیا: میں کعبۃ اللہ کی طرف جاؤں گی۔ ہشام نے کہا: بہت خوب! اب تیری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کنیز شاہی محل سے نکل کر مکہ معظمہ پہنچی اور وہیں مقیم ہو گئی۔ وہ سوت کات کر گزر بسر کرتی اور جب شام ہوتی تو مطاف میں پہنچ کر دیوانہ وار خانہ کعبہ کا طواف کرتی۔ اس کے بعد حطیم میں داخل ہو کر عرض کرتی: اے میرے پروردگار! تو ہی میرا سہارا ہے، میری اُمیدوں کو مت توڑنا۔ مجھے مقام اُمن میں رکھنا اور اپنی رحمتوں کی برکھا مجھ پر برسانا۔

یہ کنیز اسی طرح شب و روز عبادت و ریاضت میں مصروف رہی حتیٰ کہ اس محنت و مشقت اور دھوپ کی تمازت نے اس کی جلد کی رنگت کو تبدیل کر دیا اور نماز میں طویل قیام کی وجہ سے اس کا بدن کمزور و نحیف ہو گیا۔ زیادہ رونے کے سبب اس کی آنکھیں خراب ہو گئیں اور سوت کاتنے کی وجہ سے اس کی انگلیوں میں زخم ہو گئے؛ بالآخر ایک دن اسی حالت میں اللہ کو پیاری ہو گئی۔ (۱)

مجھے اللہ سے شرم آتی ہے!

خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کا بھائی خلیفہ ہشام بن عبد الملک بن مروان بیت اللہ شریف کے حج کو آیا۔ طواف کے دوران اس کی نگاہ زاہد و متقی اور عالم ربانی سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (م ۱۰۵ھ) پر پڑ گئی جو اپنا جوتا ہاتھ میں اٹھائے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ ان کے اوپر ایک کپڑا اور ایک عمامہ تھا جس کی قیمت تیرہ درہم سے زیادہ نہیں تھی۔

خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے پوچھا: کوئی حاجت ہو تو بتائیں۔

حضرت سالم بن عبد اللہ نے فرمایا :

إني لأستحيي من الله أن أسأل في بيته غيره .

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آرہی ہے کہ میں اس کے گھر میں ہوتے ہوئے کسی

اور کے سامنے دستِ سوال دراز کروں۔

یہ سننا تھا کہ خلیفہ کے چہرے کا رنگ سرخ ہونے لگا، اس نے سالم بن عبد اللہ کے جواب میں اپنی سبکی محسوس کی۔ چنانچہ جب حضرت سالم بن عبد اللہ حرم شریف سے باہر نکلے تو وہ بھی اُن کے پیچھے ہی حرم سے نکل پڑا اور راستے میں ان کے سامنے آکر کہنے لگا: اب تو آپ بیت اللہ شریف سے باہر نکل چکے ہیں، کوئی حاجت ہو تو فرمائیں (بندہ حاضر ہے)۔
حضرت سالم بن عبد اللہ گویا ہوئے :

من حوائج الدنيا، أم من حوائج الآخرة ؟ .

یعنی تمہاری مراد دنیاوی حاجت سے ہے یا اخروی حاجت سے؟۔

خلیفہ ہشام نے کہا: اخروی حاجت کو پورا کرنا تو میرے بس کا روگ نہیں ہے؛ البتہ دنیاوی ضرورت ضرور پوری کر سکتا ہوں۔ فرمائیں۔

اس کا جواب سن کر حضرت سالم بن عبد اللہ کہنے لگے :

ما سألت الدنيا من يملكها، فكيف أسألها من لا يملكها .

یعنی میں نے دنیا تو اس سے بھی نہیں مانگی جس کی یہ ملکیت ہے، پھر بھلا میں

اس شخص سے دنیا کیوں کر طلب کر سکتا ہوں جس کا وہ خود بھی مالک نہیں۔

یہ کہہ کر آپ اپنے گھر کی طرف چل دیے اور ہشام بن عبد الملک اپنا سامنہ لے کر رہ

گیا۔ (۱)

(۱) مختصر تاریخ دمشق ۴/۲۶۱:..... تاریخ الاسلام ذہبی ۳۰۴/۲:..... البدایہ والنہایہ ۹/۲۶۲۔

اور یہ ہیں فاطمۃ الزہرا کے لعل

حکایتوں میں آتا ہے کہ ہشام بن عبد الملک بن مروان ایک سال حج کو آیا، خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، جب حجر اسود پر بوسہ دینے کا ارادہ کیا تو خلقت کے ہجوم کی وجہ سے اسے راستہ نہ ملا، وہ منبر پر چڑھا اور خطبہ پڑھنا شروع کیا، اسی وقت حضرت امام زین العابدین تشریف لائے، چہرہ ماہِ کامل کی طرح روشن، رخسار دھکتے ہوئے اور لباس خوشبو سے معطر۔ انھوں نے طواف کیا، جب حجر اسود کے پاس آئے تو لوگ تعظیماً ایک طرف ہٹ گئے اور آپ نے بڑھ کر پتھر کو بوسہ دیا۔

ہشام بن عبد الملک سے کسی نے کہا: حیرت ہے کہ آپ امیر المومنین ہیں اور آپ کو حجر اسود تک بازیابی نہ ہوئی؛ لیکن جب وہ جوانِ رعنا آیا تو سارا ہجوم چھٹ گیا اور سنگِ اسود اس کے لیے خالی کر دیا گیا۔

ہشام نے کہا: میں اس جوان کو نہیں جانتا کہ یہ ہے کون!۔ مطلب یہ تھا کہ کہیں ہشام کے اپنے لوگ امام زین العابدین کو پہچان کر ان کی طرف ذاری اختیار کر کے انھیں امیر بنانے کی کوشش نہ کریں۔

مشہورِ زمانہ شاعر فرزدق وہاں موجود تھا، اس نے ہشام کی باتیں سن کر کہا: میں جانتا ہوں کہ یہ جوانِ رعنا کون ہے۔ لوگوں نے درخواست کی پھر بیان کرو؟، دیکھو اس کے چہرے سے کیا جلال و ہیبت ٹپک رہی ہے۔

فرزدق نے کہا سو میں اس کے صفات و خصائل اور اس کا نام و نسب بیان کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اہل بیت اطہار کی تعریف و توصیف میں اور خصوصاً شانِ زین العابدین میں بہت سے اشعار پڑھے، چند یہ ہیں :

☆ هذا الذی تعرف البطحا وطأته والبیث یعرفه والحل والحرم
☆ هذا ابن خیر عباد اللہ کلهم هذا النقی النقی الطاهر العلم

☆ بجدہ أنبياء الله قد خُتِمَ
 یعنی یہ وہ شخص ہے جس کے نقش قدم اہل مکہ پہچانتے ہیں، جس کو خانہ کعبہ اور
 حرم جانتے ہیں۔

یہ خلق خدا میں سب سے اچھے آدمی کا بیٹا ہے۔ یہ مشہور متقی و پرہیزگار اور
 عابدانِ شب زندہ دار کا سرخیل ہے۔

یہ فاطمہ الزہرا کا لال ہے؛ مگر مقامِ حیرت ہے کہ تو جہالت و دلی کدورت کے
 باعث اس کو نہیں پہچانتا، یہ وہی عظیم انسان ہے جس کے نانا پر سلسلہ نبوت
 و رسالت جا کر ختم ہو گیا۔

یہ سن کر ہشام بن عبد الملک بہت برا فروختہ ہوا اور اس نے فرزدق کو مدینہ اور مکہ
 کے درمیان عسفان کے مقام پر قید کروا دیا۔ جب یہ خبر حضرت زین العابدین کو پہنچی تو
 آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو بھجوائے اور کہلا بھیجا: ہم مجبور ہیں اس سے زیادہ ہمارے
 پاس نہیں۔

فرزدق نے وہ رقم یہ کہہ کر واپس کر دی کہ اے فرزندِ پیغمبر! میں تمام عمر مال و زر کے
 لیے بادشاہوں اور سلاطین و اُمرا کے قصائد لکھتا رہا ہوں اور ان کی تعریف میں غلو کر کے
 ارتکابِ معاصی کرتا رہا ہوں۔ اور یہ اشعار میں نے اہل بیت کی تعریف و توصیف میں
 از رو کفارہ کہے ہیں۔

جب یہ پیغام امام زین العابدین کو ملا تو انھوں نے یہ کہہ کر رقم واپس بھجوا دی کہ اے
 فرزدق! اگر تمہیں واقعی ہمارے ساتھ ارادت ہے تو یہ خیال نہ کر کہ ہم جو دے چکے اسے
 واپس لے لیں (بلکہ تمہیں یہ رقم لینا ہی ہوگا کیوں کہ) ہم اس کی ملکیت سے دست بردار
 ہو چکے ہیں۔ (۱)

(۱) معجم کبیر طبرانی: ۱۶۹/۳، رقم: ۲۷۳۳۳، حلیۃ الاولیاء: ۱۳۹/۳، الصواعق المحرقة: ۵۸۴/۲، اخبار مکہ
 فاکہی: ۱۳۰/۳، رقم: ۱۳۰۳، کشف الخجوب: ۱۳۸ تا ۱۴۷، روض الراحین: ۵۴، ۵۵۔

ماں! تیری عظمت کے قربان

حضرت مالک بن دینار (م ۱۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا۔ حجاج اور معتمرین کی کثرت دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ اس سال کس کس کا حج و عمرہ مقبول ہو گیا ہے تو میں جا کر اس کو مبارک باد پیش کرتا اور کس کس کا ٹھکرا دیا گیا ہے تو جا کر اس کی تعزیت کرتا۔

جب رات ہوئی تو میں نے خواب میں کسی کہنے والے کو کہتے ہوئے سنا کہ اے مالک بن دینار! تم نے حجاج و معتمرین کی بابت جاننا چاہا ہے تو سن، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے چھوٹے بڑے، مرد و عورت، اور سیاہ و سفید ہر کسی کو بخش دیا ہے، سوائے ایک شخص کے؛ کیوں کہ اللہ اس سے ناراض ہے اور نتیجے میں اس کا حج مردود کر دیا گیا اور اس کی نیکیاں اس کے منہ پر ماردی گئی ہیں۔

حضرت مالک کہتے ہیں (یہ سن کر میرا اضطراب اور فزوں ہو گیا، اور مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں وہ مردود شخص میں ہی تو نہیں) چنانچہ اسی بیقراری کے عالم میں جب دوسری رات سو یا تو پھر کچھ ایسا ہی خواب دیکھا؛ مگر اس میں اتنا اضافہ تھا کہ (اے مالک!) وہ مردود شخص تو نہیں ہے بلکہ خراسان کے شہر بلخ کا رہنے والا ایک شخص ہے، جسے محمد بن ہارون بلخی کہا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ صبح ہوئی تو میں خراسانی حجاج کے قافلے میں پہنچا، اور لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے بھائیوں میں کوئی محمد بن ہارون ہے؟، لوگوں نے کہا: اوہ! حیرت کی بات ہے۔ آپ ایک ایسی عظیم و جلیل شخصیت کی بابت یوں بے تکلفی سے پوچھ رہے ہیں، شاید

آپ کو معلوم نہیں کہ خراسان کی سرزمین پر ان سے زیادہ صاحبِ زہد و ورع اس وقت کوئی نہیں ہے!۔

کہتے ہیں کہ اب میں ایک بار اپنے خواب کو سوچتا ہوں اور پھر جب اس شخص کی بابت لوگوں کی تعریف و توصیف سنتا ہوں تو حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتا ہوں۔ میں نے کہا: اچھا مجھے ان کی بارگاہ تک پہنچاؤ۔ لوگوں نے کہا: وہ چالیس سال سے مسلسل دن میں روزے رکھتے اور رات کو عبادتیں کرتے ہیں، نیز وہ ویرانوں میں رہتے ہیں۔ اور شاید اس وقت وہ یہیں کہیں مکہ کے کھنڈرات میں ہوں گے۔

کہتے ہیں کہ اب میں نے کھنڈرات میں جا کر اُن کی تلاش شروع کی تو انہیں ایک دیوار کے پیچھے کھڑا پایا۔ ان کا دایاں ہاتھ ان کی گردن میں پڑا ہوا تھا جسے انھوں نے دو بڑی بیڑیوں سے مضبوطی کے ساتھ باندھ رکھا تھا اور اسی حالت میں رکوع و سجود کیے جا رہے تھے۔ میرے قدموں کی آہٹ محسوس کر کے انھوں نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: مالک بن دینار، اور بصرہ کا رہنے والا ہوں۔

یہ سن کر کہنے لگے: اچھا! تم ہی مالک بن دینار ہو جن کی علییت اور زہد و تقویٰ کے ڈنکے پورے عراق میں بج رہے ہیں۔ میں نے کہا: عالم تو اللہ رب العزت ہے۔ اور زاہد و عابد حضرت عمر بن عبد العزیز ہیں، وہ اگر چاہیں تو خوب عیش و عشرت سے زندگی گزار سکتے ہیں؛ لیکن بادشاہت کے باوجود انھوں نے زہد و ورع اختیار فرمایا اور دنیا سے بے رغبتی ان کے اندر بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، ہمیں تو دنیاوی نعمتیں میسر ہی نہیں، اس لیے ان سے دور ہیں۔

پھر انھوں نے پوچھا: مالک! کس مقصد سے آئے ہو؟ اگر تم نے کوئی خواب دیکھا ہو تو مجھ سے بیان کرو۔

کہتے ہیں کہ مجھے حیا دامن گیر ہوئی کہ میں کیسے اُن کے سامنے اسے بیان کروں؛

مگر انھوں نے اصرار کے ساتھ کہا: بلا تکلف بیان کرو۔ چنانچہ میں نے دبے لفظوں اسے بیان کر دیا۔ یہ سن کر وہ دیر تک روتے رہے۔

میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ کے اور اللہ کے درمیان کوئی بڑا گناہ حائل ہے؟ کہنے لگے: ہاں! بہت بڑا، زمین و آسمان اور عرش و کرسی سے بھی بڑا ہے۔ میں نے کہا: مجھے آپ اپنا وہ گناہ بتائیں تاکہ میں لوگوں کو اس کے ارتکاب سے بچاؤں اور انھیں اس گناہ سے ڈراؤں جس کی سزا آپ بھگت رہے ہیں۔ پھر وہ یوں گویا ہوئے :

اے مالک! امر واقعہ یہ ہے کہ میں بہت ہی شرابی انسان تھا، اور ہر وقت شراب کے نشے میں مدہوش رہتا۔ ایک مرتبہ میں اپنے ایک شرابی دوست کے پاس گیا۔ میں نے وہاں خوب شراب پی، پھر جب مجھ پر نشہ طاری ہونے لگا، اور میری عقل پر پردہ پڑ گیا تو میں نشے کی حالت میں گرتا پڑتا اپنے گھر پہنچا، اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میری زوجہ نے دروازہ کھولا۔

میں گھر کے اندر داخل ہوا تو میری والدہ تنور میں آگ جلا کر لکڑیاں ڈال رہی تھی، اور اس میں خوب آگ بھڑک رہی تھی۔ جب انھوں نے مجھے نشے کی حالت میں لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو قریب آئیں، مجھے تھاما اور فرمانے لگیں :

آج شعبان کا آخری دن اور ماہِ رمضان کی پہلی شب ہے۔ لوگ تو روزے کی حالت میں صبح کریں گے؛ مگر گلتا ہے تم نشے ہی کی حالت میں صبح کرو گے۔ کیا تمہیں کچھ بھی اللہ سے شرم نہیں آتی؟ کب تک اپنا یہ حال بنائے رکھو گے؟

ان کی یہ باتیں سن کر مجھے بہت غصہ آیا اور نشے کی حالت میں میں نے انھیں ایک مکا رسید کر دیا، تو ان کے منہ سے نکلا: اللہ تیرا بیڑا غرق کرے۔ اُن کی یہ بات سن کر مجھے اور غصہ چڑھ گیا اور میں نے نشے کی حالت میں انھیں اُٹھا کر دھکتے ہوئے تندور میں پھینک دیا۔ جب میری بیوی نے میری اس حرکت کو دیکھا تو اس نے مجھے پکڑ کے ایک کوٹھری کے

اندر بند کر کے باہر سے تالا چڑھا دیا؛ تاکہ پڑوسی میری آواز نہ سن سکیں اور انھیں معاملے کی خبر نہ ہو۔

میں اسی طرح نشے میں پڑا رہا۔ جب رات کی آخری گھڑیاں آئیں تو میرا نشہ دھیرے دھیرے ہرن ہونے لگا۔ میں دروازے کی طرف بڑھا تو بند تھا۔ میں نے اپنی بیوی کو آواز دی کہ دروازہ کھولو۔ تو اس نے نہایت بے رخی سے جواب دیا کہ میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔

میں نے کہا: تیرا خانہ خراب ہو۔ تم یہ غصہ کس بات کا دکھا رہی ہو؟ کہا: اسی گھر کی کوٹھری میں پڑے رہو، تم جیسے بے رحم شخص پر کون رحم کھائے گا؟
میں نے کہا: تم یہ کیا باتیں کر رہی ہو؟ بولی: بد بخت! تم اپنی ماں کے قاتل ہو۔ تم نے انھیں اٹھا کر تندور میں پھینک دیا اور وہ بے چاری جل کر راکھ ہو گئی ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سنی تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے دروازہ اکھاڑ پھینکا، اور تندور کی طرف لپکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری ماں جلی ہوئی روٹی کی مانند ہو چکی ہیں۔

اب میری ندامت و افسوس کی انتہا ہو گئی اور میں اسی عالم میں گھر سے نکل پڑا، سارا مال صدقہ کر دیا، غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اور آج چالیس سال سے مسلسل دن میں روزے رکھ رہا ہوں اور رات میں عبادتیں کر رہا ہوں۔ نیز ہر سال حج بھی کرتا ہوں۔ اور ہر سال کوئی نہ کوئی (عارف باللہ) اس قسم کا خواب آ کر مجھے سنا جاتا ہے۔

حضرت مالک فرماتے ہیں کہ اب میں نے عالم غضب میں اپنا ہاتھ اس کے چہرے پر پھیر کر کہا: اے نامراد! قریب ہے کہ جو آگ تجھ پر نازل ہونے والی ہے وہ ساری زمین کو جلا ڈالے۔ یہ سب کچھ کر کے اب آ کر یہاں پناہ گزیں ہو گئے ہو۔

پھر میں وہاں سے ایک طرف ہو گیا اور ایک جگہ چھپ گیا تاکہ وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔ جب اس نے محسوس کیا کہ میں جا چکا ہوں تو اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھادیے اور مناجات کرنے لگا: اے مشکلیں آسمان کرنے والے، غم کی بدلیوں کو چھانٹنے والے، اور بے قراروں کی دعائیں قبول کرنے والے! میں تیری رضا کا طالب، تیری ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں، جو کچھ ہوا اُسے معاف فرما دے۔ اب تک میری اُمیدیں تیری ذات سے وابستہ ہیں، اور تو دعاؤں کو رُسوا نہیں فرماتا۔

حضرت مالک کہتے ہیں کہ اس کی یہ رقت انگیز مناجات سن کر میں اپنی رہائش کی طرف لوٹ آیا، پھر جب رات آئی تو دل کی آنکھیں کھل گئیں، مجھے خواب میں پیارے آقا رحمت سراصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے ارشاد فرمایا: اے مالک! تمہیں اس لیے پیدا نہیں کیا گیا کہ لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کرتے پھرو۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی بلندیوں سے محمد بن ہارون پر نگاہِ رحمت ڈال دی ہے، اس کی دعائیں مقبول ہو گئی ہیں، اور اس کے کاندھے سے گناہوں کا بوجھ بھی اتار دیا گیا ہے؛ لہذا اس کے پاس جا کر کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو روزِ قیامت جمع فرمائے گا، اگر کسی سینک والے جانور نے بغیر سینک والے جانور کو مارا ہوگا تو اس کو بدلہ دلوائے گا اور ذرّے ذرّے کا حساب لے گا۔ یوں ہی جب بدلہ لینے کی باری آئے گی، تو تجھے تیری والدہ کے ساتھ اکٹھا کیا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ہوئی زیادتی کے نتیجے میں تجھے (ایک خاص وقت تک کے لیے) جہنم کا عذاب چکھایا جائے گا۔ پھر اخیر میں تجھے تیری ماں کے حوالے کر دیا جائے گا، (پھر تیری ماں کی مرضی)۔

حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میں فوراً محمد بن ہارون کے پاس گیا اور انھیں بشارت دی کہ آج رات مجھے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور پھر میں نے ان سے پورا واقعہ بیان کر دیا۔

خدا کی قسم! میرا خواب سن کر وہ جھوم اُٹھے اور اسی لمحے ان کی روح اس آسانی سے ان کے تن سے جدا ہو گئی کہ جس طرح پتھر کو پانی میں ڈالا جائے تو وہ آسانی سے نیچے کی جانب چلا جاتا ہے۔ پھر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا گیا اور میں نے ان کے جنازے میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔^(۱)

ایک بچی کی اپنے مولا سے مناجات

حضرت جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت مالک بن دینار کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شب میں خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک بھولی سی چھوٹی بچی پر پڑ گئی جو غلافِ کعبہ سے چمٹ کر کہہ رہی تھی :

یا رب ذہبت اللذات، و بقیۃ التبعات، یا رب کم من شہوة
ساعة قد أورثت صاحبها حزنا طويلا، یا رب أما لك عقوبة و لا
أدب إلا بالنار؟

یعنی اے پروردگار! بہت سی شہوتوں کی لذتیں جاتی رہیں، صرف ان کا عذاب باقی رہ گیا۔ اے مولا! محض ایک گھڑی کی شہوت انسان کو کتنے گہرے حزن و الم میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اے میرے پالنے والے! کیا آگ اور دوزخ کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہیں جسے تو بطور سزا تجویز کرتا یا جس سے تو گنہ گاروں کو تادیب کرتا ہے!۔

اس طرح اس چھوٹی بچی کی اپنے مولا سے سرگوشیاں، مناجات اور راز و نیاز کی باتیں تادمِ سحر چلتی رہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کا مکالمہ سن کر حضرت مالک اپنا سر پیٹ کر رونے

(۱) بر الوالدین: ۸۷ تا ۸۸..... عیون الحکایات ابن الجوزی: ۲۱۸/۱ تا ۲۲۲۔

لگے اور اضطراب و بے کسی کے عالم میں فرمایا: مالک پر اس کی ماں روئے اور اتنا روئے کہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آج کی رات اس چھوٹی بچی (جویریہ) نے بازی مار لیا ہے۔ (۱)

حسن نیت، عمل سے بہتر

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دورانِ طواف یہ کہتے ہوئے سنا :

اللّٰهُمَّ قَبِلْتَ حِجَاتِي الْأَرْبَعَ فَاقْبَلْ هَذِهِ الْحِجَةَ، فَقُلْتُ كَيْفَ عَرَفْتُ أَنَّ اللَّهَ قَبِلَهَا؟ قَالَ أَرْبَعُ سَنِينَ كُنْتُ أَنْوِي كُلَّ سَنَةٍ أَنْ أَحْجَّ وَعِلْمُ نِيَّتِي وَحُجَّتُ مِنْ عَامِي فَأَنَا خَائِفٌ أَنْ لَا يَقْبَلَ مِنِّي فَعَلِمْتُ أَنَّ النِّيَّةَ أَفْضَلُ مِنَ الْعَمَلِ (۲)

یعنی اے اللہ! جس طرح تو نے میرے (سابقہ) چاروں حج قبول فرمائے ہیں، اسی طرح اس حج کو بھی شرفِ قبول عطا فرما۔ میں نے حیرت سے پوچھا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تیرے پچھلے حج قبول کر لیے ہیں؟ کہا: چار سال سے میں صرف حج کرنے کی نیت کر رہا تھا تو اسے تو نیتوں کا علم ہے؛ مگر اس سال حج کرنے کا اتفاق ہوا ہے؛ لہذا مجھے ڈر ہے کہ یہ قبول ہونہ ہو۔ (حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اس شخص کے عمل سے مجھ پر واضح ہو گیا کہ) نیت، عمل سے افضل اور بہتر ہوا کرتی ہے.....

(۱) اخبار کہ فاکہی: ۱۹۵/۲ حدیث: ۶۲۳..... اعتلال القلوب خرائطی: ۱۳۹/۱ حدیث: ۱۳۰..... احیاء علوم

الدین: ۱۸۲/۴..... المجالس وجواهر العلم: ۳۳۱/۱۔

(۲) فیض القدیر: ۵۷/۲۔

لذتِ آہِ سحر گاہی

حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دورانِ حج ایک مرتبہ میری آنکھ لگ گئی اور خانہ کعبہ کے قریب ہی سو گیا۔ اتنے میں سعدون مجنون میرے سر ہانے آ کر یہ شعر پڑھنے لگا :

يا أيها الراقد كم ترقد

قم يا حبيبي قد دنا الموعد

و خذ من الليل و ساعاته

فازدد إذا ما سجد السجد

یعنی اے سونے والے! کب تک یوں ہی سوتا رہے گا۔ میرے دوست! اُٹھ دیکھ عرصہ قیامت کتنا قریب آ گیا ہے۔

اگر سونا ہی ہے تو رات کی کچھ گھڑیوں میں سو رہا کر، لیکن اُس وقت اُٹھ کر اپنی پیشانی کو لذتِ سجد سے آباد کر دے جب کہ عام طور پر سجدہ گزار نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں اور کوئی سجدہ کرنے والا نہیں ہوتا۔ (۱)

نیکوں کے طفیل بدوں کا بھلا

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں متواتر چودہ سال تک حج کی سعادتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوتا رہا، اور ہر سال خانہ کعبہ کے طواف کے دوران ایک درویش کو کعبہ معظمہ کا دروازہ پکڑے دیکھا، جب وہ لبیک اللہم لبیک کہتا تو غیب سے آواز سنائی دیتی: لا لبیک۔

(۱) عقلاء المجانین: ۲۲۱۔

حضرت مالک بن دینار کہتے ہیں کہ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے چودہویں سال اس شخص سے پوچھا: اے درویش! تو بہرہ تو نہیں؟۔

اس نے کہا: میں سب کچھ سن رہا ہوں۔

میں نے کہا: پھر یہ تکلیف کیوں اٹھاتے ہو؟۔

اس نے کہا: اے شیخ! میں حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ اگر بجائے چودہ سال کے چودہ ہزار سال میری عمر ہو جائے اور بجائے سال کے ہر روز ہزار بار یہ جواب 'لا لیک' سنائی دے تب بھی اس دروازے سے نہ ہٹوں گا اور اس در سے اپنا سر نہ اٹھاؤں گا!

آپ فرماتے ہیں کہ ابھی ہم مصروف گفتگو ہی تھے کہ اچانک آسمان سے ایک کاغذ اس کے سینہ پر گرا، اس نے وہ کاغذ میری طرف بڑھا دیا، جب میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں درج تھا :

اے مالک! تو چاہتا کیا ہے کہ میرے بندے کو مجھ سے جدا کر دے۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اس کے چودہ سال کے حج قبول نہیں کیے! ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس مدت میں آنے والے تمام حاجیوں کے حج بھی میں نے اس کی پکار ہی کی برکت سے قبول کیے ہیں۔

شنیدم کہ در روزِ اُمید ویم

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

کہاں تھا میں اس کرم کے قابل!

شہرِ بصرہ میں ایک متمول گھرانے کا خوش رونو جوان تھا، زرق برق لباس، کھیل کود اور خوشحال زندگی۔ حضرت مالک بن دینار کو وہ ایک روز بصرہ سے دور کسی مقام پر مصروفِ آہ

وہکا ملا، اشکوں کے موتی اس کی آنکھوں سے ڈھلک کر اس کے دامن کو بھگور رہے تھے۔

حضرت مالک بن دینار نے اسے پہلے خوشحال اور توانائی میں دیکھا تھا، اب اس کیفیت میں پا کر مشکل سے پہچان سکے۔ اس کی یہ حالت زار دیکھ کر آپ کی آنکھیں بھی اشک بار ہو گئیں۔ نوجوان نے حضرت مالک بن دینار سے گزارش کی :

آپ اپنے اوقاتِ خاص میں میرے لیے دعا کیجیے گا اور رب تعالیٰ سے میری توبہ اور بخشش مانگیے گا، میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی دعا کی برکت سے غفار و ستار پروردگار مجھے معاف فرمادے گا۔ پھر اس نے کچھ درد انگیز اشعار پڑھے۔

اسی سال حج کے موقع پر حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ دورانِ طواف انھوں نے دیکھا کہ حجاج کرام کے ازدحام میں کوئی زارو قطار رو رہا ہے جس کی وجہ سے طواف کرنے والے رک رک جاتے ہیں۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو وہی بصری نوجوان تھا۔

حضرت مالک بن دینار مطاف میں اس نوجوان کو پا کر بہت خوش ہوئے، سلام کر کے قریب گئے اور کہا: پروردگار عالم کا شکر ہے کہ اس نے تیرے خوف کو امن سے بدل دیا اور تیری آرزو برآئی۔ اے نوجوان! اللہ واسطے اب تو مجھے بتا کہ تیرا حال کیا ہے؟

نوجوان نے کہا: رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے، اس نے مجھے بلایا، میں چلا آیا اور پھر میں نے جو طلب کیا اس نے مجھے عطا کیا۔

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں ابھی طواف ہی میں مصروف تھا کہ وہ چلا گیا اس کے بعد نہ میں اس سے ملا اور نہ اس کی کوئی خبر پائی۔^(۱)

(۱) روض الریاحین: ۱۰۶ تا ۱۰۷، بحوالہ بزم اولیاء: ۱۸۱ تا ۱۸۲۔

تو اور تیرے پیروکار سب بخشے گئے!

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) نے اپنی زندگی میں پچپن حج کیے۔ جب آخری مرتبہ زیارت بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو کعبۃ اللہ کا طواف کرنے کے بعد خدام کعبہ سے باب کعبہ کھولنے اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ جب دروازہ کھول دیا گیا تو بیت اللہ کے دونوں ستونوں کے درمیان آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھ کر پورا قرآن ختم کر دیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو امام اعظم پر گریہ طاری ہوا، خوب روئے اور دیر تک بارگاہِ صمدیت میں یوں مصروفِ مناجات رہے :

اے پروردگار! اس بندہ ضعیف نے تجھے کمالِ معرفت (یعنی صفاتِ کبریائی) کے ساتھ پہچانا جیسا کہ تجھے جاننے کا حق ہے؛ مگر افسوس! تیرے شایانِ شان تیری عبادت نہ کر سکا۔ تو اے مالک و مولا! تو اس ناتواں بندے کی خدمت کی کمی کو اس کی کمالِ معرفت کی وجہ سے معاف فرما دے، (یعنی اس کی کمالِ عرفان کو اس کی نقصانِ خدمت کا کفارہ بنا دے)۔

راوی کہتے ہیں کہ اسی دوران خانہ کعبہ کے ایک گوشہ سے ہاتفِ نبی نے آواز دی:

و عرفت فأحسنّت المعرفة و خدمت فأحسنّت الخدمة غفرنا

لک و لمن کان علی مذهبک إلی قیام الساعة (۱)۔

یعنی اے ابوحنیفہ! تو نے ہمیں کماحقہ پہچانا بھی اور ہمارے دین کی خوب خوب خدمت بھی کی؛ لہذا ہم نے تجھے اور قیامِ قیامت تک تیرے مذہب کے ہونے والے پیروکاروں کو سزا و معصرت عطا کرتے ہیں۔

(۱) عقود الجمان: ۲۲۰۔ کے علاوہ علامہ طحاوی کردری، حدائق الحنفیہ، اور رد المحتار: ۳۵۸/۱ میں بھی قدرے تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔
- چر یا کوٹی -

تعظیم و تکریم کے طور

حضرت وہیب بن ورد بنی (م ۱۵۳ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران ایک عورت نے اپنی کسی بہن سے کہا: بہن! میرے رب نے اپنا گھر کھول دیا ہے (اور دروازہ کعبہ کھل چکا ہے) آؤ چلو اس کے اندر چلیں۔ تو اس نے جواب دیا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں تو (خانہ کعبہ کی قدر و منزلت اور اپنے ناپاک قدم کے باعث) اپنے پروردگار کے گھر کے ارد گرد طواف کرنے میں بھی بے ادبی محسوس کر رہی ہوں پھر جو خانہ کعبہ کو اپنے پاؤں سے کیسے روندوں!۔ سبحان اللہ، کیا طور ہیں تعظیم و تکریم کے!۔ (۱)

اور رحمتِ مولا مہربان ہو گئی

حضرت وہیب بن ورد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بار طوافِ کعبہ کے دوران ایک عورت یہ دعا مانگ رہی تھی :

یا رب، ذہبت اللذات و بقیۃ التبعات، یا رب، مالک عقوبۃ
إلا النار، أما فی عفوک ما یسعنی یا أرحم الراحمین، قال: فما
استتمت کلامها إلا و قائل یقول: قد غفونا و غفرنا لک . (۲)
یعنی اے پروردگار! اصل لذتیں تو اٹھ گئیں صرف تبعات باقی رہ گئیں۔ مولا!
تیری حکم عدولی تو دخولِ جہنم کا ذریعہ ہے۔ اے ارحم الراحمین! کیا تیرے دامن
عفو میں اتنی گنجائش نہیں کہ مجھے اس میں پناہ مل سکے۔ فرمایا: ابھی اس نے اپنی دعا
بھی پوری نہ کیا تھا کہ ایک کہنے والا کہہ کر چلا گیا کہ ہم نے تجھے معافی دی اور
تیرے گناہوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔

(۱) اخبار مکہ فاکہی: ۱۹۳/۲ حدیث: ۶۲۱۔ (۲) الزہر الفارح فی ذکر من تنزه عن الذنوب والقبائح: ۱۲۱۔

ارد گردِ اشر فیوں کا ڈھیر لگ گیا

حضرت حیوۃ بن شریح علیہ الرحمہ (م ۱۵۸ھ) بڑے صاحب فضیلت اور باکرامت بزرگ تھے۔ عام طور پر ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ مستجاب الدعوات ولی ہیں اور مصر میں ان کی یہ کرامت بہت ہی مشہور ہے کہ یہ کنکریاں ہاتھ میں لے کر دعا فرماتے تو ان کی دعا سے کنکریاں کھجور بن جاتی تھیں۔

کچھ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابن وضاح سے بھی منقول ہے کہ ایک شخص کعبہ معظمہ کا طواف کر رہا تھا اور وہ طواف کے وقت صرف یہی ایک دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! میں بہت قرض دار ہوں، لہذا میرے قرض ادا ہونے کا سامان پیدا فرما دے۔

یہ شخص طواف سے فارغ ہو کر سو گیا تو کسی نے خواب میں آکر اس کو یہ بشارت دی کہ اگر تم اپنا قرض ادا ہی کرنا چاہتے ہو تو یہاں سے اسکندر یہ چلے جاؤ اور وہاں جا کر شیخ الحدیث حیوۃ بن شریح سے دعا کراؤ۔

چنانچہ یہ شخص اسکندر یہ پہنچا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی اور طواف کعبہ اور اپنے خواب کا سارا ماجرا بیان کیا، تو حیوۃ بن شریح نے جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ اس شخص نے دیکھا کہ آپ کے ارد گرد سونے کی اشر فیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اے شخص! دیکھ خدا سے ڈر اور اپنی حاجت سے زیادہ اس میں سے نہ لینا؛ چنانچہ اس شخص کا بیان ہے کہ میں تین سودینار کا قرض دار تھا تو میں نے گن کر تین ہی سودینار اس میں سے اٹھائے اور پھر اسکندر یہ سے اپنے وطن چلا آیا۔ (۱)

(۱) تہذیب التہذیب بحوالہ اولیاء رجال الحدیث: ۹۰، ۹۱۔

اللہ اپنی سلامت عطا کرے

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ (م ۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو غلافِ کعبہ سے چمٹا ہوا دیکھا کہ وہ کچھ اس طرح دعا مانگ رہا ہے :

اے اللہ مجھے سلامت رکھ۔

میں نے اس سے پوچھا: اے شخص! آخربات کیا ہے، اور تم کس چیز سے سلامتی کی دعا مانگ رہے ہو؟ تو اس نے کہا :

يا أخبي كنا أربعة أخوة تنصر أحدنا عنداً، وتهوّد الآخر، و
تمجس الثالث، و بقيت أنا خائفاً من الله تعالى و راغباً في
السلامة . (۱)

یعنی اے میرے دوست! میرے کل چار بھائی تھے، جن میں سے ایک نصرانی ہو کر مرا، دوسرا یہودی ہو کر اور تیسرا مجوسی بن کر۔ اب باقی صرف میں بچا ہوں، مجھے خوفِ الہی دامن گیر ہے (اس لیے خاتمہ کی) سلامتی کی دعا کر رہا ہوں۔

طلبِ مغفرت کا منفرد آہنگ

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک اعرابی کو حالت طواف میں یہ کہتے سنا :

إلهي من أولى بالتقصير مني وقد خلقتني ضعيفاً، و من أولى
بالكرم منك و قد سميت نفسيك رؤوفاً، و لك المنة علي

(۱) الزہر الفالح فی ذکر من تنزه عن الذنوب والقبايح: ۹/۱۔

وقد عصيتك بعلمك، و لك الحجة علي فبانقطاع حجتي و
 وجوب حجتك و فقري إليك و غناك عني إلا ما غفرت لي. (۱)
 یعنی میرے پروردگار! مجھ سے بڑا کوتاہ عمل اور کون ہوگا اور تو نے مجھے پیدا بھی
 کمزور ہی کیا ہے۔ اور تجھ سے بڑھ کر عطا و نوال کی بارشیں کرنے والا کون ہے
 اور پھر تو نے اپنا نام ہی ”رؤف“ چن لیا ہے۔ تیرا مجھ پر کتنا احسان ہے اور میں
 ہوں کہ جانتے ہوئے بھی تیری معصیت کا مرتکب ہوا جا رہا ہوں۔ اب میری
 کٹ جتنی کے بعد تیری حجت مجھ پر قائم ہو چکی ہے۔ لہذا اب اپنی حجت و غنا کے
 مقابل میرے فقر کو دیکھتے ہوئے مجھے معاف فرما دے۔

درودِ پاک کی برکات

حضرت محمد بن منکدر - رحمہ اللہ - اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سفیان
 ثوری - علیہ الرحمہ - نے دورانِ طواف ایک ایسے نوجوان کو دیکھا جو قدم قدم پر درود
 شریف پڑھ رہا تھا۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے نوجوان! تم تسبیح
 و تہلیل چھوڑ کر صرف درود شریف ہی پڑھ رہے ہو، کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟۔

نوجوان نے پوچھا: آپ کون ہیں؟۔ میں نے جواب دیا: سفیان ثوری۔

اس نے کہا کہ اگر آپ کا شمار اہل اللہ میں نہ ہوتا تو میں کبھی بھی آپ کو یہ راز نہ بتاتا۔
 ہوا یوں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ حج کے ارادے سے نکلا، راستے میں ایک جگہ والد
 گرامی پر سخت بیماری کا حملہ ہوا، میں نے بہت ساری کوششیں کی مگر انھیں موت سے نہ
 بچا سکا۔ موت کے بعد یکایک ان کا چہرہ سیاہ ہو گیا، یہ دیکھ کر میری کیفیت دگرگوں ہو گئی
 اور میں نے بے تابانہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر اُن کا چہرہ ڈھک دیا۔

(۱) الزہر الفالح فی ذکر من تنزه عن الذنوب والقباہ:

اسی غم و الم کے عالم میں میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں، کیا دیکھتا ہوں کہ نفیس ترین کپڑوں میں ملبوس، حسن و جمال میں کیلتا ایک بزرگ تشریف لائے جن کے وجود مسعود سے خوشبو کی لپٹیں آرہی تھیں، وہ بزرگ نازک خرامی کے ساتھ آئے اور میرے باپ کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر ہاتھ سے چہرے کی طرف اشارہ کیا، ہی تھا کہ ان کا چہرہ چمک دار اور روشن ہو گیا۔

جب وہ بزرگ واپس تشریف لے جانے لگے تو میں نے ان کا دامن تھام لیا اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے طفیل اس غریب الوطنی میں میرے باپ کی آبرورکھ لی، تو جاتے جاتے یہ تو بتا جائیں کہ آپ ہیں کون؟۔ انھوں نے لبوں پر تبسم سجا کر فرمایا: تم مجھے نہیں پہچانتے؟۔ میں صاحب قرآن نبی آخر الزمان محمد بن عبد اللہ (ﷺ) ہوں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ تیرا باپ اگرچہ بہت گنہ گار تھا مگر مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرتا تھا، پھر جب اس پر مصیبت نازل ہوئی، تو اس نے مجھ سے مدد طلب کی اور میں ہر اس شخص کا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھے (بطور خاص) فریادرس ہوں۔

نوجوان کہتا ہے کہ اس کے بعد اچانک میری آنکھ کھل گئی اور کیا دیکھتا ہوں کہ واقعاً میرے باپ کا چہرہ سفید و روشن ہو گیا ہے۔^(۱)

اس واقعے کو شیخ زکریا کاندھلوی نے ’فضائل اعمال‘ میں بھی تفصیل سے بیان کیا ہے؛ حالانکہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دست گیری، حاجت روائی اور دفع البلاء کا واضح ذکر موجود ہے جسے وہ لوگ اپنے خود ساختہ عقیدے کے مطابق شرک خیال کرتے ہیں۔ سچ ہے: ’فضیلت وہ جس کی گواہی دشمن بھی دینے پر مجبور ہو جائے‘۔

راہِ خدا میں بیٹے کی قربانی

جس وقت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۶۲ھ) نے شہر بلخ کی سلطنت کو خیر باد کہا، اس وقت آپ کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ جوانی میں اس نے ایک مرتبہ اپنی ماں

(۱) مکافئۃ القلوب: ۱۳۶..... روض الریاحین: ۱۳۲، بحوالہ بزم اولیاء: ۲۱۸ تا ۲۱۹۔

سے پوچھا کہ امی جان! میرے والد کہاں ہیں؟ تو والدہ نے پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد بتایا کہ وہ اس وقت مکہ معظمہ میں مقیم ہیں۔

یہ سن کر لڑکے نے پورے شہر میں ندا کرادی کہ جو لوگ اس سال میرے ہمراہ سفر حج پر چلنا چاہیں میں ان کے پورے اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔

یہ منادی سن کر تقریباً چار ہزار افراد چلنے پر آمادہ ہو گئے، جن کو وہ لڑکا اپنے ہمراہ لے کر والد کے دیدار کی تمنا میں کعبۃ اللہ پہنچ گیا اور جب اس نے مشائخ حرم سے اپنے والد کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ تو ہمارے مرشد ہیں اور اس وقت وہ جنگل سے لکڑیاں لینے گئے ہیں کہ فروخت کر کے اپنے اور ہمارے کھانے کا کچھ انتظام کریں۔

یہ سنتے ہی لڑکا جنگل کی جانب چل پڑا اور ایک بوڑھے کو سر پر لکڑیوں کا بوجھ لاد کر لاتے دیکھا۔ فرط محبت سے وہ بیتاب ہو گیا؛ لیکن بطور سعادت مندی اور ناواقفیت احوال خاموشی کے ساتھ آپ کے پیچھے بازار تک پہنچ گیا اور جب وہاں جا کر حضرت ابراہیم نے آواز لگائی کہ کون ہے جو پاکیزہ مال کے عوض پاکیزہ مال خریدے۔ تو ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے چند روٹیوں کے عوض میں وہ لکڑیاں خرید لیں۔ پھر وہ روٹیاں لا کر آپ نے اپنے ارادت مندوں کے سامنے رکھ دیں اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم اپنے ارادت مندوں کو ہمیشہ یہ ہدایت فرماتے کہ کبھی کسی عورت یا بے ریش لڑکے کو نظر بھر کر نہ دیکھنا، اور خصوصاً اُس وقت زیادہ محتاط رہنا جب ایام حج کے دوران کثیر تعداد میں عورتیں اور بے ریش لڑکے جمع ہو جاتے ہیں۔ تمام افراد اس ہدایت کے پابند رہتے ہوئے آپ کے ہمراہ شریک رہتے۔

چنانچہ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران حضرت ابراہیم بن ادہم کا وہی لڑکا آپ کے سامنے آ گیا، اور محبت پداری نے جوش مارا اور بے ساختہ آپ کی نگاہیں اس پر پڑیں تو جی کی جی رہ گئیں۔ فراغت طواف کے بعد آپ کے ارادت مندوں نے عرض کیا۔ اللہ آپ کے

حال پر رحم فرمائے۔ آپ نے ہمیں جس بات سے باز رہنے کی ہدایت کی تھی اس میں آپ خود ہی ملوث ہو گئے۔ کیا آپ اس کی کچھ وجہ بیان کریں گے؟۔

آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو تمہارے علم میں ہے ہی کہ جس وقت میں نے بلخ چھوڑا تھا اس وقت میرا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، اور مجھے یقین ہے کہ دورانِ طواف میں نے اپنے ہی بچے پر نظر ڈالی تھی۔

بہر حال! اگلے دن آپ کا ایک مرید جب بلخ کے قافلہ کی تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہی لڑکا حریر اور دیباغ کے خیمہ میں ایک کرسی پر بیٹھا تلاوتِ قرآن کر رہا ہے اور جب اس نے آپ کے مرید سے آنے کا مقصد دریافت کیا تو مرید نے سوال کیا کہ آپ کس کے صاحبزادے ہیں؟۔

یہ سنتے ہی اس لڑکے نے روتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے والد کو نہیں دیکھا؛ لیکن کل ایک بوڑھے لکڑہارے کو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ شاید یہی میرے والد ہیں، اور اگر میں ان سے کچھ پوچھ گچھ کرتا تو اندیشہ تھا کہ وہ فرار ہو جاتے؛ کیوں کہ وہ مدتوں سے گھر سے غائب ہیں، اور ان کا اسم گرامی ابراہیم بن ادہم ہے۔

یہ سن کر مرید نے کہا کہ چلیے میں ان سے آپ کی ملاقات کروادوں۔ وہ اپنے ہمراہ آپ کی بیوی اور بیٹے کو لے کر بیت اللہ میں داخل ہو گیا، جس وقت بیٹے کی نظر آپ پر پڑی تو فرطِ محبت سے بیتابانہ دونوں لپٹ گئے اور روتے روتے بیہوش ہو گئے اور ہوش میں آنے کے بعد حضرت ابراہیم نے بیٹے سے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا: اسلام۔

پھر سوال کیا کہ کیا تم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟۔

لڑکے نے اثبات میں جواب دیا۔

پھر پوچھا کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ تعلیم حاصل کی ہے؟۔

لڑکے نے کہا جی ہاں!۔

یہ سن کر فرمایا کہ الحمد للہ۔

اس کے بعد جب آپ جانے کے لیے اُٹھے تو بیوی اور بچے نے اصرار کر کے آپ کو روک لیا جس کے بعد آپ نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھا کر کہا: یا اِلهی! اَغْنِنی . یہ کہتے ہی آپ کا صاحبزادے زمین پر گر پڑا اور اُس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

جب اِرادتمندوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ جب میں بچے سے ہم آغوش ہوا تو فوری جذبات اور فرطِ محبت سے بے تاب ہو گیا اور اسی وقت غیب سے یہ ندا آئی کہ ابراہیم! دوستی کا دعویٰ تو ہم سے ہے اور گرفتار دوسرے کی محبت میں ہو گئے!۔

یہ سن کر میں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! ہم دونوں میں سے کسی ایک کو لے لے۔ چنانچہ لڑکے کے حق میں دعا قبول ہو گئی۔^(۱)

جرم پر ہی تو ہے موقوف، ظہورِ رحمت

حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ ایک رات مجھے تنہا خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ ایک تاریک رات تھی۔ میں دروازہ کعبہ کے نزدیک ملتزم پر کھڑا ہو گیا اور یہ دعا کرنے لگا: اے اللہ! مجھے اپنی حفاظت میں رکھ تاکہ میں تیری نافرمانی نہ کر سکوں۔

اچانک بیت اللہ کی طرف سے آواز آئی: اے ابراہیم! تم گناہوں سے حفاظت چاہتے ہو اور میرے تمام مومن بندے بھی یہی دعا کرتے ہیں، اگر میں سب کو گناہوں سے محفوظ کر دوں اور معصوم بنادوں تو اپنا فضل اور مغفرت کس پر کروں گا!۔^(۲)

(۱) لطائف المعارف: ۶۸/۱.....روض الریاحین: ۱۳۰۔

(۲) روح المعانی: ۲۸۵/۳.....احیاء علوم الدین مترجم: ۲۴۲/۴۔

زمرہ صالحین میں شامل ہونے کا نسخہ

حضرت عبدالرحمن سلمیٰ نے طبقات الصوفیہ میں حضرت ابراہیم بن ادہم کا قول نقل فرمایا ہے کہ ایک شخص خانہ کعبہ کے طواف میں دیوانہ وار مصروف تھا، اور دوران طواف اللہ کے حضور باواز بلند التجائیں کر رہا تھا کہ باری تعالیٰ! مجھے صالحین کا درجہ عطا کر دے اور مجھے زمرہ صالحین میں شامل فرمائے۔

دوران طواف آپ نے اس کی بات سنی اور اس کو ایک طرف لے جا کر نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! جب تک چھ چیزیں اور چھ تکلیفیں تو اپنے اوپر لازم نہ کر لے، اس وقت تک صالحین کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اگر صالحین میں شامل ہونے کا آرزو مند ہے تو تیرے لیے ضروری ہے کہ چھ دروازے اپنے اوپر بند کر لے اور چھ دروازے کھول لے۔

پہلا یہ ہے کہ نعمت و سہولت اور عیش و عشرت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لے۔ اور شدت، مشقت اور تکلیف کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

دوسرا یہ کہ عزت اور شان و شوکت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لے۔ اور ذلت و مسکنت اور عاجزی و انکساری کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

تیسرا یہ کہ راحت و آرام کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لے، راحت و آرام دوسرے کو دے، اور اپنے اوپر جہد اور بے آرامی کا دروازہ کھول لے۔

چوتھا یہ کہ نیند و غفلت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لے اور بے خوابی کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

پانچواں یہ کہ مال و دولت اور غنا و ثروت کا دروازہ بند کر لے۔ اور فقر و بے نیازی کا دروازہ اپنے اوپر کھول دے۔

چھٹی یہ کہ لمبی اُمیدوں اور آرزوؤں کا دروازہ بند کر لے۔ اور موت کی طرف اپنا دھیان جما لے، اور راہِ آخرت کی مسافرت کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔
حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا: بیٹے! اگر تو نے ان چھ نصیحتوں کو رنگ عمل دے دیا تو تو یقین رکھ کہ تجھے زمرہٴ صالحین میں شمولیت نصیب ہو جائے گی۔^(۱)

کعبہ معظمہ، رابعہ بصریہ کے استقبال میں

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ادہم جب سفر حج پر روانہ ہوئے تو ہر گام پر دو رکعت نماز ادا کرتے ہوئے چلے اور مکمل چودہ سال میں مکہ معظمہ پہنچے۔ دورانِ سفر یہ بھی کہتے گئے کہ دوسرے لوگ تو قدموں سے چل کر پہنچے ہیں؛ لیکن میں آنکھوں کے بل پہنچوں گا اور جب مکہ میں داخل ہوئے اور طوافِ خانہ کعبہ کے لیے مطاف میں اترے تو وہاں خانہ کعبہ دکھائی نہ دیا۔

چنانچہ اس تصور سے آپ آب دیدہ ہو گئے کہ شاید میری بصیرت زائل ہو چکی ہے؛ لیکن غیب سے آواز آئی کہ بصیرت زائل نہیں ہوئی بلکہ کعبہ ایک ضعیفہ کے استقبال کے لیے گیا ہوا ہے۔

یہ سن کر آپ کو احساسِ ندامت ہوا اور گریہ کنایا ہوئے کہ یا اللہ! آخر وہ کون سی ایسی برگزیدہ ہستی ہے کہ جس کے استقبال کے لیے خود کعبہ گیا ہوا ہے؟

ندا آئی کہ اے ابراہیم! وہ بہت ہی عظیم المرتبت ہستی ہے۔ چنانچہ آپ کی نظر اٹھی تو دیکھا کہ سامنے سے حضرت رابعہ بصریہ لاٹھی کے سہارے چلی آرہی ہیں اور کعبہ اپنی جگہ موجود ہے۔

آپ نے رابعہ بصریہ سے سوال کیا کہ تم نے نظام کو کیوں درہم برہم کر رکھا ہے؟۔
جواب ملا: میں نے تو نہیں کیا البتہ تم نے ایک ہنگامہ ضرور کھڑا کر رکھا ہے جو چودہ
برس میں کعبہ تک پہنچے ہو۔

حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں ہر گام پر دو رکعت نفل پڑھتا ہوا آیا ہوں جس کی وجہ
سے اتنی تاخیر سے پہنچا۔

رابعہ نے فرمایا کہ تم نے تو نماز کے ساتھ فاصلہ طے کیا ہے اور میں عجز و انکسار کے
ساتھ یہاں تک پہنچی ہوں۔

پھر ادائیگی حج کے بعد حضرت رابعہ نے اللہ تعالیٰ سے رو کر عرض کی کہ اے بارِ الہا!
تو نے حج پر بھی اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور مصیبت پر صبر کرنے کا بھی؛ لہذا اگر تو میرا حج قبول
نہیں فرماتا تو پھر مصیبت پر صبر کرنے کا ہی اجر عطا کر دے؛ کیوں کہ حج قبول نہ ہونے
سے بڑھ کر اور کون سی مصیبت ہو سکتی ہے!.....

منزل سمٹ کر قدموں میں

حضرت ابراہیم بن ادہم اپنی توبہ سے قبل کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے
ہیں کہ موسم گرما کی ایک سخت دوپہر میں اپنے محل کے بالا خانے پر دنیا کی رنگینیوں میں
مگن تھا۔ مجھے ہر طرح کی سہولت میسر تھی، محل کی ایک کھڑکی شارع عام کی طرف کھلتی تھی
جس سے میں باہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔

اس دن بہت شدید گرمی تھی لیکن میں اپنے آرام دہ، ٹھنڈے، اور ہوادار بالا خانے
میں اپنے رفقا کے ساتھ بڑے سکون سے خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ یکا یک میری نظر
اس کھڑکی کی طرف پڑی جو شارع عام کی طرف کھلتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس سخت گرمی
میں ایک بزرگ بوسیدہ سی چادر میں لپٹا دنیا کے غموں سے بے فکر محل کی دیوار کے سائے

تلے بڑے سکون سے بیٹھا ہے۔ میں اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت حیران ہوا۔

میں نے فوراً خادم کو بلایا اور کہا: اس بزرگ کے پاس جاؤ اور اسے میری طرف سے سلام عرض کر کے کہو کہ آپ کچھ دیر محل میں تشریف لے چلیں، ہمارا بادشاہ آپ کو بلارہا ہے۔ خادم فوراً بزرگ کے پاس گیا اور اسے میرا پیغام دیا۔

وہ خادم کے ساتھ میرے پاس آیا اور مجھے سلام کیا۔ میں نے جواب دیا اور اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اس کی قربت سے مجھے دلی سکون نصیب ہوا اور میرے دل سے دنیا کی محبت زائل ہونے لگی۔

میں نے اس بزرگ کے لیے کھانا منگوایا تو انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ میں پوچھا: آپ کہاں سے تشریف لارہے ہیں؟ فرمانے لگے: میں ماوراء النہر سے آیا ہوں۔ میں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمانے لگے: انشاء اللہ حج کا ارادہ ہے۔

میں بہت حیران ہوا؛ کیوں کہ اس دن ذوالحجہ کی دو تاریخ تھی۔

میں نے پوچھا: آپ حج کے لیے اب روانہ ہوئے ہیں حالاں کہ ذوالحجہ کی دو تاریخ ہو چکی ہے! آپ اتنے کم وقت میں حرمین شریفین کیوں کر پہنچ پائیں گے؟ تو وہ فرمانے لگے: اللہ رب العزت جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے۔

میں نے کہا: حضور! اگر آپ قبول فرمائیں تو میں بھی آپ کے ساتھ حرمین شریفین کی حاضری کے لیے چلوں!۔

فرمایا: جیسے تمہاری مرضی۔

چنانچہ میں نے اسی وقت ارادہ کر لیا کہ اس بزرگ کی صحبت ضرور حاصل کروں گا اور اس کے ساتھ حج کرنے جاؤں گا۔

جب رات ہوئی تو اس بزرگ نے مجھ سے فرمایا: چلو، ہم اپنے سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ میں سفر کی کچھ ضروری چیزیں لے کر ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا۔ انھوں نے میرا

ہاتھ پکڑا اور ہم رات ہی کو بلخ سے روانہ ہو گئے۔

ہم نے رات کے کچھ ہی حصہ میں کافی فاصلہ طے کر لیا۔ پھر ہم ایک گاؤں میں پہنچے تو مجھے ایک شخص ملا، میں نے اسے چند ضروری اشیاء لانے کو کہا تو اس نے فوراً وہ چیزیں حاضر کر دیں، پھر ہمیں کھانا پیش کیا گیا، ہم نے کھانا کھایا، پانی پیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

پھر اس بزرگ نے مجھ سے فرمایا: اٹھو، چنانچہ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور چل دیے۔ ہم منزل پر منزل طے کرتے جاتے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ زمین ہمارے لیے سمیٹ دی گئی ہے اور خود بخود ہمیں کھینچ کر منزل کی طرف لے جا رہی ہے۔

ہم کئی شہروں اور بستیوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ جب بھی کوئی شہر آتا تو وہ بزرگ مجھے بتاتے کہ یہ فلاں شہر ہے، یہ فلاں جگہ ہے۔ جب ہم کوفہ پہنچے تو انھوں نے مجھ سے فرمایا: تم مجھے رات کو فلاں وقت فلاں جگہ ملنا۔ اتنا کہنے کے بعد وہ وہاں سے چلے گئے۔

جب میں وقت مقررہ پر اس جگہ پہنچا تو وہ بزرگ وہیں موجود تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو میرا پکڑا اور پھر منزل کی طرف چل دیے۔

میں حیران تھا کہ اس بزرگ کی صحبت میں نہ تو مجھے تھکاؤ کا احساس ہو رہا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی وحشت محسوس ہو رہی تھی۔ ہماری منزل قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔

پھر اس بزرگ نے فرمایا: اے ابراہیم! اب ہم اپنی عقیدتوں کے مرکز اور عشاق کی آنکھوں کی ٹھنڈکِ مدینہ منورہ کی ضیاءِ رضاء میں داخل ہونے والے ہیں، سامنے سبز سبز گنبد ہے۔

ہم دھڑکتے دل کے ساتھ روضہ رسول پر حاضر ہوئے اور درود و سلام کے نذرانے پیش کیے۔ میرے دل کو کافی قرار نصیب ہوا۔ میں روضہ اقدس کی معطر و معتبر فضاؤں میں

گم سا ہو گیا۔

ایسا گمادے ان کی ولا میں خدا ہمیں

ڈھونڈا کریں پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

پھر اس بزرگ نے مجھ سے فرمایا: اب میں کسی کام سے جا رہا ہوں اور رات کے فلاں حصے میں تم مجھے فلاں جگہ ملنا۔ اتنا کہنے کے بعد وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، پھر جب میں مقررہ وقت پر اس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ وہاں مجھ سے پہلے ہی موجود ہیں، اور نماز میں مشغول ہیں۔ نماز سے فراغت کے بعد انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: چلو اب 'مکہ معظمہ' کی طرف چلتے ہیں۔

ہم نے چلنا شروع کیا اور تھوڑی ہی دیر بعد ہم مکہ مکرمہ کی مشکبار فضاؤں میں سانس لے رہے تھے۔ اب اس بزرگ نے فرمایا: اے ابراہیم! اب تم مکہ پہنچ چکے ہو، اب میں تم سے جدائی چاہتا ہوں۔

یہ سنتے ہی میں نے ان کا دامن تھام لیا اور عرض کیا: میں آپ کی صحبت بابرکت سے مزید فیضیاب ہونا چاہتا ہوں۔ اس عظیم بزرگ نے فرمایا: میں ملک شام جانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: حضور مجھے بھی اپنی رفاقت ملک شام لیتے چلیں۔

فرمانے لگے: اچھا چلو ٹھیک ہے، جب تم حج مکمل کر لینا تو مجھے چاہہ زمرم کے پاس ملنا، میں وہیں تمہارا انتظار کروں گا۔ اتنا کہنے کے بعد وہ بزرگ وہاں سے تشریف لے گئے، اور میں حسرت بھری نگاہوں سے ان کو دیکھتا رہا۔

جب میں فریضہ حج ادا کر چکا تو مقررہ وقت پر چاہہ زمرم کے پاس پہنچا۔ وہ وہاں میرے منتظر تھے۔ مجھے دیکھ کر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور مکہ معظمہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہم جب شام کی طرف روانہ ہوئے تو اس بزرگ نے ایک مقام پر پہنچ کر پہلے ہی کی طرح مجھ سے فرمایا: تم یہاں میرا انتظار کرنا، میں فلاں وقت تمہیں یہیں ملوں گا۔ وہ وقت مقررہ پر وہاں پہنچ گئے، اسی طرح انھوں نے تین مرتبہ کیا، پھر ہمیں بہت جلد شام کی سرحدیں نظر آنے لگیں۔ ہم بہت ہی قلیل وقت میں مکہ معظمہ سے شام پہنچ گئے۔

وہ بزرگ مجھے لے کر بیت المقدس، پنچے اور مسجد میں داخل ہوئے اور مجھ سے فرمانے لگے: اے اللہ کے بندے! یہی میری رہائش گاہ ہے۔ اب ہماری جدائی کا وقت آ گیا ہے، اللہ تعالیٰ تجھے اپنے حفظ و امان میں رکھے اور تم پر سلامتی ہو۔

اس کے بعد وہ بزرگ اچانک میری نگاہوں سے غائب ہو گئے۔ میں نے ان کو بہت تلاش کیا لیکن مجھے وہ نہ مل سکے، اور نہ ہی ان کے متعلق کسی سے کوئی معلومات مل سکیں، اور میں یہ بھی نہ جان سکا کہ جس عظیم ہستی کی کچھ دنوں کی صحبت نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی، میرے دل سے دنیا کی محبت ختم کر دی، میرے اس محسن کا نام کیا ہے۔ میں اس کے نام سے بھی ناواقف رہا، پھر میں اپنے دل میں اس بزرگ کی جدائی کا غم لیے شام سے بلخ کی طرف روانہ ہوا اور اب میں اس سفر کو بہت طویل محسوس کر رہا تھا اور میرا واپسی کا سفر مجھ پر بہت سخت ہو گیا تھا۔ مجھے اس بزرگ کی رفاقت میں گزرے ہوئے نورانی لمحے بار بار یاد آ رہے تھے۔ بالآخر میں سفر کی کافی صعوبتیں برداشت کر کے کئی دنوں کے بعد اپنے شہر بلخ پہنچا۔

جو واقعات میری توجہ کا سبب بنے، یہ ان میں سب سے پہلا واقعہ تھا، اور اس کی وجہ سے میں دنیاوی زندگی سے کافی بیزار ہو چکا تھا، مجھے اس بزرگ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات بار بار یاد آتے تھے اور میں ان کے دیدار کا مشتاق ہی رہا؛ لیکن دوبارہ آج تک ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ (۱)

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱۳۷۳ تا ۱۳۷۴۔

بادشاہ کے منہ پر اُس کی اصلاح

روایت میں آتا ہے کہ خلیفہ ہادی محمد بن مہدی (م ۷۰ھ) تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد مکہ مکرمہ آیا اور چند روز بیت اللہ کے جوار میں مقیم رہا۔ اسی اثنا میں ایک دن اس نے طوافِ کعبہ کا ارادہ کیا، ماتحت اُمراء و حکام نے مطاف خالی کرا لیا۔

جب مہدی طواف میں مشغول ہوا تو عبد اللہ بن مرزوق جست لگا کر اس کے پاس پہنچے اور اس کی چادر پکڑ کر اپنی طرف کھینچی اور اسے کئی بار جھٹکے دیے اور فرمایا کہ یہ تو کیا کر رہا ہے۔ تجھے اس گھر کا زیادہ حقدار کس نے بنا دیا؟ لوگ قریب و بعید سے اس گھر کی زیارت کے لیے آئے ہیں، تو ان کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو رہا ہے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

سَوَاءٌ نِ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۝ (سورہ حج: ۲۵/۲۶)

اس میں سب برابر ہیں۔ اس میں رہنے والا بھی اور باہر رہنے والا بھی۔

خلیفہ حیرت زدہ رہ گیا؛ کیوں وہ عبد اللہ بن مرزوق کی شخصیت سے واقف تھا۔ پھر بھی اس نے پوچھا کہ کیا تو عبد اللہ بن مرزوق ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں۔

خلیفہ اس جرأت اور صاف گوئی پر بہت زیادہ برا فروختہ ہوا اور انھیں گرفتار کر کے بغداد لے گیا۔ ابن مرزوق کی یہ جرأت خلیفہ کے نزدیک انتہائی عبرت انگیز سزا کی مستحق تھی لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ انھیں کوئی ایسی سزا دی جائے کہ جس سے عوام میں ان کی رسوائی ہو۔ سب سے بہتر صورت اسے یہ نظر آئی کہ انھیں گھوڑوں کے اصطبل میں قید کر دیا جائے؛ تاکہ یہ بے عقل اور سرکش جانور انھیں اپنے پیروں سے روند ڈالیں۔

چنانچہ ایک بد مزاج اور کٹکھنا گھوڑا ان کے قریب باندھ دیا گیا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان گھوڑوں میں سختی کی بجائے نرمی اور سرکشی کی بجائے اطاعت گزاری پیدا کر دی۔ وہ

اس حالت میں باہر نکلے کہ گھوڑوں نے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔
اس تدبیر میں ناکامی کے بعد خلیفہ نے انھیں ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں قید کر دیا
اور دروازہ میں تالا ڈال کر چابی اپنے پاس رکھ لی۔

تین روز کے بعد آپ کو ملحقہ باغ میں گھومتے ہوئے اور سبزیاں کھاتے ہوئے دیکھا
گیا۔ باغ بانوں نے قیدی کے فرار کی اطلاع مہدی کو دی، وہ دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ جس
کوٹھری میں انھیں قید کیا تھا وہ یوں ہی بند ہے اور اس سے نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ نہیں ہے۔
خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں اس کوٹھری سے کس نے نکالا؟۔ انھوں نے جواب
دیا: جس نے قید کیا تھا۔ پوچھا: کس نے قید کیا تھا؟۔ فرمایا: جس نے آزاد کیا۔

خلیفہ ان جوابات پر بہت مشتعل ہوا اور چیخ کر کہنے لگا کہ ابن مرزوق! کیا تجھے
موت سے ڈر نہیں لگتا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ انھوں نے جواب دیا: میں ضرور ڈرتا اگر
موت و حیات کے فیصلے تیری مرضی کے پابند ہوتے۔

اس واقعے کے بعد آپ مہدی کی وفات تک قید رہے۔ مہدی کے جانشینوں نے
انھیں آزاد کیا۔ قید کے دوران آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آزادی عطا
کر دی تو میں اس کی راہ میں سوانٹ قربان کروں گا؛ چنانچہ مکہ معظمہ پہنچ کر آپ نے یہ نذر
پوری کی۔ (۱)

حق گوئی و بے باکی

حضرت سفیان ثوری روایت کرتے ہیں کہ خلیفہ مہدی نے ۱۶۶ھ میں حج کیا۔ مجھے
اس وقت کا منظر اچھی طرح یاد ہے جب وہ طواف کر رہا تھا اور اس کے خدام ادھر ادھر

(۱) احیاء علوم الدین: ۳۱۶/۲۔

کھڑے ہوئے لوگوں پر کوڑے برسا رہے تھے۔

میں نے اس سے کہا: اے خوب رو جوان! ہم سے ایمن نے بیان کیا، انھوں نے وائل سے، اور وائل نے قدامہ بن عبد اللہ الکلابی سے روایت کیا کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نحر کے دن اونٹ پر سوار ہیں، جمرہ پر نکریاں مار رہے ہیں، نہ کوئی شخص لوگوں پر کوڑے برسا رہا تھا، نہ انھیں ادھر ادھر ہٹا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جگہ بنا رہا تھا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی) اور ایک تم ہو کہ لوگ دائیں بائیں کھڑے پٹ رہے ہیں اور تم طواف کر رہے ہو۔

خلیفہ مہدی نے کسی سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے جو مجھ سے اس طرح مخاطب ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ یہ سفیان ثوری ہیں۔ خلیفہ نے مجھ سے کہا کہ اگر آج میری جگہ خلیفہ منصور ہوتے تو تمہیں لب ہلانے کی بھی جرأت نہ ہوتی!۔

میں نے کہا کہ اگر میں تجھے یہ بتلا دوں کہ منصور نے اپنے کیے کی سزا پائی تو شاید تو بھی ان کی حرکتوں سے باز آ جائے جن میں تو مشغول ہے۔ یہ کہہ کر میں ایک طرف ہٹ گیا۔ کسی نے خلیفہ سے کہا کہ آپ نے سنا نہیں وہ بڑے میاں آپ کو امیر المومنین کی بجائے خوب رو جوان کہہ رہے تھے۔

خلیفہ نے حکم دیا کہ سفیان ثوری کو دوبارہ بلایا جائے۔ لوگ میری تلاش میں دوڑے؛ مگر میں ان کی پہنچ سے دور نکل چکا تھا؛ لہذا ڈھونڈنے والے ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔ (۱)

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۳۱۷۔

حاشیہ: میری سمجھ سے یہ روایت حضرت سفیان ثوری کے علاوہ کسی دوسرے بزرگ سے مروی ہوگی؛ کیوں کہ حضرت سفیان ثوری ۱۶۱ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اور یہ واقعہ ۱۶۶ھ میں پیش آیا۔ یا پھر سال درج کرنے میں تسامح ہوا ہو۔ حقیقت کیا ہے صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو معلوم ہے۔ - چریا کوئی -

اپنے کیے پر شرمساری

حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ (م ۱۸۷ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو حج کے دنوں میں طوافِ خانہ کعبہ کرتے ہوئے دیکھا۔ لوگ دعائیں مانگ رہے تھے مگر اس کے لب خاموش تھے۔ میں نے پوچھا: تم دعا میں شریک کیوں نہیں ہوتے اور اپنی مہر سکوت کیوں نہیں توڑتے؟۔

اس نے جواب دیا: میں وحشت میں مبتلا ہوں؛ کیوں کہ میرا وقت فوت ہو گیا ہے اور اب دعا کی کوئی صورت نہیں۔

میں نے کہا: دعا کر، اللہ نے چاہا تو اس اجتماع کی برکت سے تیری مراد برآئے گی۔ اس نے چاہا کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے؛ مگر بے اختیار اس نے ایک آہ بھری اور وہیں گر کر جاں بحق ہو گیا۔^(۱)

قربان ترے حج پر

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴ھ) وقت کے ایک عظیم بزرگ ہوئے ہیں۔ پیشہ کے اعتبار سے آپ موچی تھے، جو توں کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ ایک سال آپ نے وفد کی شکل میں لوگوں کے ساتھ حج بیت اللہ کا پروگرام بنایا۔ سارے پیسے اکٹھے ہو گئے، تیاریاں مکمل ہو گئیں اور روانگی کا وقت آن پڑا۔

ایک دن آپ کسی کام سے جنگل میں گئے تو دیکھا کہ کوئی عورت اپنی برقعے میں کوئی چیز چھپائے لیے جا رہی ہے۔ آپ کو تشویش لاحق ہوئی کہ اور آپ نے دور سے اس کا

(۱) کشف المحجوب مترجمہ علامہ فضل الدین گوہر: ۴۵۰۔

تعاقب کیا۔ اب وہ عورت دائیں بائیں دیکھ کر کہ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا ہے جنگل میں پڑے ایک مردار جانور کے پاس جا کر کھڑی ہوئی، برقعے سے چھری نکالا اور اس کا کوئی عضو کاٹ کر پھر برقعہ میں چھپائے ہوئے سوائے منزل روانہ ہو گئی۔

حضرت شقیق بلخی اس کا پیچھا کرتے رہے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟۔ شام ہو چکی تھی۔ اس عورت نے گھر پہنچ کر اسے ہانڈی میں پکانا شروع کر دیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ مردار کا گوشت پکا کر اپنے یتیم بچوں کا کئی دنوں سے خالی پیٹ بھر رہی ہے، اور وہ خود بیوہ تھی۔

چوں کہ اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا اور اس کے پاس آمدنی کے وسائل بھی نہیں تھے تو اپنی عزت نفس بچانے کے لیے کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی بجائے مردار کے گوشت سے وہ اپنے بچوں کی زندگی کی ضمانت فراہم کر رہی تھی۔

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت شقیق بلخی لرزہ بر اندام ہو گئے اور آنکھوں میں درد کے آنسو لیے گھر پہنچے، ساری رات بے قراری کے عالم میں بستر پر کروٹیں بدلتے رہے۔ صبح اٹھ کر حج کمیٹی کے خزانچی کے پاس گئے جہاں آپ نے حج کے پیسے جمع کرا رکھے تھے، اور اپنے سارے پیسے واپس لے لیے۔

اپنا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑا اور کہا کہ شقیق! تیرے پڑوس میں بیوہ اور یتیم بچے بھوک کے باعث مردار کھانے پر مجبور ہیں اور تو پیسے جمع کر کے حج کرتا پھرتا ہے، ایسا حج خدا کی بارگاہ میں کب قبول ہوگا؟ چنانچہ آپ نے حج کا پروگرام ملتوی کر دیا اور رات ہوئی تو حج کی وہ ساری رقم لے جا کر اس بیوہ کے سپرد کر دیا اور یہ تک نہ بتایا کہ میں کون ہوں۔

اب جب حج کے لیے روانگی کا وقت آیا اور آپ نہ جاسکے تو لوگوں نے طعنہ دینا شروع کر دیا کہ کاروبار بڑھانے کے لیے اس نے جو تے خرید لیے ہوں گے۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ بد بخت ہے خدا کی بارگاہ کی حاضری اس کے نصیب میں تھی ہی نہیں۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ

نصیب والے اللہ و رسول کا گھر اور رد کیہتے ہیں۔ الغرض جتنے منہ اُتتی بات، مگر آپ نے کسی کے طعنہ کا جواب نہ دیا اور خندہ پیشانی کے ساتھ سب کی بکواسیں سنتے رہے۔

قافلہ حج نکل پڑا، لوگ مکہ پہنچے اور حج ادا کر لیا۔ ایام حج کے بعد ایک ولی اللہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، اسی میں نیند نے ان پر غلبہ کیا اور آپ لیٹ گئے۔ خواب میں کیا دیکھ رہے ہیں کہ دو فرشتے آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔ پہلا فرشتہ دوسرے سے پوچھ رہا ہے: اس سال کتنے لوگوں نے حج کیا؟۔

فرشتے نے جواب دیا: کوئی نو دس لاکھ کے قریب افراد نے اس سال حج بیت اللہ کی سعادت پائی۔

پوچھا: یہ بتائیں کہ ان نو دس لاکھ افراد میں سے کتنے خوش نصیبوں کا حج قبول ہوا، اور کتنوں کا رد کر دیا گیا؟۔

کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سارے کے ساروں کا حج قبول کر لیا۔
فرشتے نے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟۔

دوسرے فرشتے نے جواب دیا کہ دراصل بلخ میں شقیق نامی ایک بزرگ ہیں، جو حج پر تو نہ آ سکے مگر گھر بیٹھے ہی انھیں حج کا وہ اجر عطا ہوا کہ ان کے حج کے تصدق ساروں کا حج شرف قبولیت سے ہمکنار کر دیا گیا ہے۔

اتنا ہی سن پائے تھے کہ اس ولی اللہ کی آنکھ کھل گئی۔ اور آپ سیدھے اس بزرگ کی زیارت کے لیے بلخ پہنچ گئے۔ شہر میں آ کر پوچھا کہ یہاں شقیق نام کے ایک بہت بڑے بزرگ ہیں وہ کہاں رہتے ہیں، میں ان کی زیارت کے لیے آیا ہوا ہوں۔

ولی اللہ کی یہ بات سن کر لوگوں نے ہنسا شروع کر دیا اور کہا کہ اللہ کے بندے! وہ بزرگ کہاں ہے، وہ تو ایسا بد بخت ہے کہ اسے حج کی سعادت بھی نصیب نہ ہو سکی۔

انھوں نے کہا: کوئی بات نہیں، گرچہ انھیں حج کی سعادت نصیب نہیں ہوئی؛ مگر میں اس کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ بالآخر وہ ان کی خدمت میں پہنچے اور خوش خبری سنائی، سنتے ہی حضرت شقیق بلخی میں خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے۔

بلاشبہ عمل کا دار و مدار نیتوں پر ہوا کرتا ہے۔ دیکھئے کہ بظاہر حج کا عمل اپنے اتمام کو نہیں پہنچ سکا مگر اللہ کی مخلوق کے لیے رات کے اندھیرے میں ان کا خرچ کیا ہوا یہ پیسانہ صرف ان کو بلکہ نولاکھ افراد کو حج مقبول کرا جرعطا کر گیا۔ (۱)

بڑوں کی بڑی باتیں

حضرت موسیٰ بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما (م ۱۸۳ھ) کے حوالے سے ایک ایسا ایمان افروز واقعہ ملتا ہے جس سے ان کی خدا آگاہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت شقیق بلخی فرماتے ہیں کہ ۱۴۹ھ میں بلخ سے حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلا۔ جب مقام قادسیہ پہنچا تو دیکھا کہ لوگ نہ معلوم کیسی کیسی زیب و زینت کی چیزوں سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔

اتنے میں نظر ایک خوبصورت جوان پر جا کر ٹک گئی، اس کے گندمی رنگ میں ایسی نورانیت تھی کہ نظریں اس کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ اس نے اون کا لباس زیب تن کر رکھا تھا، سر پر عمامہ، اوپر سے اونی شال اوڑھے، پیروں میں جوتیاں پہنے، سب سے الگ تھلگ ایک جانب بیٹھا ہوا تھا۔

(۱) **حاشیہ:** عموماً لوگ انھیں شقیق بلخی کہتے ہیں، حالانکہ بلخ میں شقیق نام کا کوئی مشہور بزرگ نہیں ہوا بلکہ میرے خیال میں اس سے یہی مراد ہوتے ہیں۔ اصلاً ان کا نام شقیق ہے۔ ایسا لگتا ہے کبھی کتاب میں Misprinting کے باعث قاف سے ایک نقطہ مٹ گیا، اور طبع در طبع نے عوام میں انھیں شقیق کے نام سے متعارف کرا دیا۔ واللہ اعلم بالصواب

چریا کوئی۔

یہ خیال آتے ہی میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور اس کی نگرانی کروں گا اور اسے ملامت کروں گا کہ اس طرح کا بناوٹی انداز درست نہیں۔ چنانچہ میں اس نوجوان کے قریب گیا، جیسے ہی میں اس کے قریب پہنچا تو وہ میری طرف پوری طرح متوجہ ہوا اور میرا نام لے کر کہتا ہے: اے شقیق!

اجْتَبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۝ (سورہ حجرات: ۱۲۴۹)

اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بے شک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر آخری سزا واجب ہوتی ہے)۔

اتنا کہنے کے بعد وہ پراسرار نوجوان مجھے وہیں چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ میرے دل میں ندامت ہوئی کہ یہ تو کوئی بندہ صالح معلوم ہوتا ہے اور میں نے اس کے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رکھا ہے، اور پھر اسے میری دل کی بات پر بھی اطلاع ہو گئی۔ مجھے اس کی فیض صحبت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کے ساتھ رہ کر کچھ سیکھنا چاہیے؛ چنانچہ یہ سوچ کر میں اس کے پیچھے دوڑا، مگر وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور تلاشِ بسیار کے باوجود میں اسے پانے میں ناکام رہا۔

حاجیوں کا قافلہ وہاں سے روانہ ہو کر جب مقامِ واقعہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان ایک گوشے میں نماز ادا کر رہا ہے، اس کا پورا بدن تھرتھر کانپ رہا ہے، اور آنکھیں سیلاب بنی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنے جی میں کہا: اب اس کا ساتھ نہیں چھوڑنا، اچھا موقع ہے چنانچہ وہیں بیٹھ کر نماز سے اس کی فراغت کا انتظار کرنے لگا، جب وہ فارغ ہوا تو قبل اس کے کہ میں اس کی طرف متوجہ ہوتا وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اے شقیق! اس آیت کی تلاوت کرو:

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى ۝ (سورہ

طہ: ۸۲/۲۰)

اور بے شک میں بہت زیادہ بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا پھر ہدایت پر (قائم) رہا۔

اتنا کہہ کے پھر مجھے تنہا چھوڑ کر وہ اپنی راہ لیتا بنا۔ میں نے جی میں کہا: ہونہ ہو یہ کوئی ابدالوں میں سے لگتا ہے؛ کیوں کہ یہ دو مرتبہ میرے رازوں پر آگاہی پا چکا ہے، اب میں اس نوجوان سے بہت زیادہ متاثر ہو چکا تھا۔

پھر جب ہم مقامِ رمال پہنچے۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان ہاتھ میں چمڑے کا ایک تھیلا لیے ایک کنوے کے پاس کھڑا ہے، اور پانی نکالنا چاہتا ہے۔ پانی نکالنے کی کوشش کرتے کرتے وہ تھیلا کنوے کے اندر گر گیا۔ میں یہ سب کچھ مشاہدہ کر رہا تھا۔ اتنے میں نے آسمان پر بجلی کی ایک چمک دیکھی، اور اس نوجوان کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔

أنت ربی إذا ظمئت من الماء و قوتی إذا أردت الطعام

یعنی مولا! وہ تو ہی ہے کہ جب میں پیاسا ہوا تو تو نے میری خشک حلق کو پانی سے تر کیا، اور جب بھوک لگی تو کھانے کا انتظام فرمایا۔

اے پروردگار! اس بھری دنیا میں میرا تیرے سوا کوئی نہیں، لہذا مجھے غیر کی ٹھوک پر نہ ڈالنا اور مجھے برباد ہونے سے بچالینا۔

حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ جو ان ابھی اتنا ہی کہنے پایا کہ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ کنوے کا پانی جوش مارتا ہوا اُٹھ کر منڈیر تک آگیا، نوجوان نے ہاتھ بڑھا کر اپنا تھیلا اٹھایا، اسے پانی سے بھر لیا، اور کنوئیں کا پانی واپس نیچے چلا گیا۔

نوجوان نے وضو کیا اور چار رکعت نماز ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد وہ ایک ریتیلے ٹیلے پر چڑھا، میں بھی چپکے سے اس کے پیچھے ہولیا، وہاں جا کر اس نے ریت اٹھائی اور اس تھیلے میں ڈالنے لگا، پھر تھیلے کو ہلایا اور اس میں موجود ریت ملے ہوئے پانی کو پینے لگا۔

یہ سب کچھ دیکھ کر میں اس کے پاس آیا، اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا، میں نے کہا: اے نیک سیرت نو جوان! اللہ نے آپ پر جو کچھ انعام کیا اس سے مجھے بھی کچھ حصہ عطا فرمائیں۔

یہ سن کر اس نو جوان نے کہا: اے شقیق! اللہ جل مجدہ اپنے بندوں پر ہر وقت فضل و کرم فرماتا رہتا ہے، کوئی آن ایسی نہیں گزرتی جس میں وہ پاک پروردگار اپنے بندوں پر نعمتیں نازل نہ فرماتا ہو؛ لہذا اے شقیق! اس کے ساتھ حسن ظن رکھو۔

اتنا کہنے کے بعد اس نو جوان نے وہ چمڑے کا تھیلا میری طرف بڑھایا۔ جب میں نے اس میں سے پیا تو اسے شکر اور خالص ستو ملا ہوا ایک بہترین مشروب پایا، اور وہ اتنا لذیذ تھا کہ قسم بخدا!! ایسا من پسند اور خوشبودار مشروب میں نے کبھی زندگی میں نہیں پیا تھا؛ اس لیے میں نے خوب جی بھر سیرابی حاصل کی، اور اس کی برکت سے کئی دنوں تک کھانے پینے کی کوئی خواہش نہیں ہوئی۔ پھر وہ میری نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔

جب ہم مکہ پہنچے، تو ایک شب میں نے آدھی رات کو اسے قبہ چاہ زمزم کے پاس دیکھا کہ کامل خشوع، رقت قلب اور چشم اشک بار کے ساتھ وہ مصروف نماز ہے، اور وہ اپنی عبادت گزاری میں ایسا جٹا رہا کہ کاروانِ شب گزر گیا اور وہ یوں ہی یادِ مولا میں مگن رہا۔

جب سپیدہ سحر طلوع ہوا تو اپنی جائے نماز پر بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگا، پھر اٹھا اور نماز فجر ادا کرنے کے بعد خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف ہو گیا، سات چکر لگانے کے بعد وہ صحن کعبہ سے باہر جانے لگا، میں اس کے پیچھے لگ گیا، لیکن اب اس کی حالت اس سے بالکل سوا تھی جو میں نے راہ میں دیکھی تھی؛ کیوں کہ اب اس کے ارد گرد اہل عقیدت کا ہجوم تھا، خدم و حشم نیاز مندی میں لگے ہوئے تھے، اور لوگ جوق در جوق اس کی دست بوسی کر رہے تھے۔ اس کی بدلی ہوئی یہ حالت دیکھ کر میں حیران و سر اسیمہ کھڑا تھا۔

خانہ خدا میں اس کی یہ جاہ و حشمت دیکھ کر میں نے اس کے قریبی ایک آدمی سے

پوچھا کہ یہ صالح نو جوان کون ہے؟۔ جواب ملا: یہ حضرت امام موسیٰ بن جعفر صادق بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

حضرت شقیق بلخی کہتے ہیں: یہ سن کر میں نے کہا کہ تبھی تو ایسے ایسے خوارقِ عادات دیکھنے میں آئے، اور ان ساداتِ کرام ہی سے ایسے عجیب و غریب اُمور کی توقع کی جاسکتی ہے، اور انھیں لوگوں کو ایسی کرامتیں اور سعادتیں زیبا ہیں۔ (۱)

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور نور
تو ہے عین نور تیرا سب گھرا نا نور کا

اور ہارون الرشید تصویر حیرت بنا رہ گیا

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید (م ۱۹۳ھ) حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ پہنچا، جس وقت اس نے طواف خانہ کعبہ کا ارادہ کیا، تو سارے حجاج طواف سے روک دیے گئے۔ ایک اعرابی آگے بڑھا اور اس نے ہارون الرشید کی معیت میں طواف کرنا شروع کر دیا۔ ہارون کے لیے یہ بات بڑی ناگوار خاطر ہوئی۔

دربان نے غضب ناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: اے اعرابی! تمہیں پتا نہیں کہ امیر المومنین ہارون الرشید چوں کہ طواف کا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے سارا مطاف خالی کر دیا گیا ہے!۔

اعرابی نے کہا: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں ہر بشر برابر ہے، اللہ کے اس گھر میں کسی کا کوئی بھید بھاؤ نہیں، وہ چاہے بادشاہ وقت ہو یا کوئی مفلس و قلاش ہر کسی کو طواف کرنے کا یہاں یکساں حق حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) صفحہ الصفوۃ: ۱/۲۱۸.....روض الریاحین: ۱۲۲-۱۲۳۔

الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ
بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (سورہ حج: ۲۲/۲۵)

جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے یکساں بنایا ہے اس میں وہاں کے باسی اور
پردیسی (میں کوئی فرق نہیں) اور جو شخص اس میں ناحق طریقہ سے کج روی (یعنی
مقررہ حدود و حقوق کی خلاف ورزی) کا ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب کا
مزرہ چکھائیں گے۔

ہارون الرشید نے جب اعرابی کی زبان سے یہ بات سنی تو دربان سے کہا کہ اس کو
اس کے حال پر چھوڑ دو۔ پھر ہارون الرشید حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھا؛ مگر
اس سے پہلے اعرابی نے لپک کر سنگ اسود کو چوم لیا۔ تکمیل طواف کے بعد قبل اس کے کہ
ہارون الرشید مقام ابراہیم پر پہنچ کر دو رکعت نفل ادا کرتا وہ اعرابی اس سے پہلے ہی نماز
واجب الطواف پڑھ چکا تھا۔

ہارون الرشید نے دربان سے کہا کہ اس اعرابی کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔ دربان نے
آ کر جب ہارون الرشید کا پیغام سنایا تو اعرابی کہنے لگا: مجھے امیر المومنین سے کوئی سروکار
نہیں، میں ان کے پاس کیوں جاؤں، اگر وہ میرے ضرورت مند ہیں تو انھیں چل کر خود
میرے پاس آنا چاہیے۔

دربان غصے میں لال پیلا ہوتے ہوئے لوٹ گیا اور ہارون الرشید کے سامنے ساری
باتیں رکھ دیں۔ ہارون نے کہا کہ اس نے بالکل سچ کہا، اصلاً ہمیں ہی اس کے پاس جانا
چاہیے تھا۔ یہ کہہ کر ہارون الرشید دربان کے ساتھ چل پڑا۔ اعرابی کے پاس پہنچ کر ہارون
الرشید نے بڑھ کر سلام کیا، اعرابی نے اس کا جواب دیا۔

اب ہارون الرشید اس سے عرض کرتا ہے اے میرے عربی بھائی! اجازت دیں تو
کچھ دیر آپ کی صحبت میں بیٹھ لیں۔ اعرابی نے کہا: نہ تو یہ گھر میرا گھر ہے اور نہ یہ حرم ہی

میرا حرم ہے۔ گھر اللہ کا ہے اور حرم بھی اسی کا ہے، اور اس مقام پر ہم سب برابر ہیں، سو چاہیں تو آپ بیٹھ جائیں چاہیں تو لوٹ جائیں۔

اعرابی کی بات کا ہارون الرشید کے دل پر بڑا گہرا اثر ہوا؛ کیوں کہ اسے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی، اور وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اب ہارون الرشید اس کے پہلو میں بیٹھ کر کہتا ہے اے اعرابی! مجھے اپنے فرائض سے آگاہ فرمائیں۔ اعرابی نے کہا: اگر واقعی آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں پھر ایک طالب علم کی مانند نیاز مندانہ بیٹھ کر پوچھیں۔

یہ سن کر ہارون الرشید اعرابی کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔ اعرابی نے کہا: اب آپ کے جی میں جو آئے پوچھ لیں۔

ہارون الرشید: یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیا فرض عائد کیا ہے؟

اعرابی: آپ کس فرض کی بات پوچھ رہے ہیں؟ کیا ایک فرض کی..... یا پانچ فرضوں کی..... یا سترہ فرائض کی..... یا چونتیس فرضوں کی..... یا چورانوے فرضوں کی..... یا چالیس میں سے ایک فرض کی..... یا پوری زندگی کے ایک فرض کی..... یا دوسو میں سے پانچ فرضوں کی۔

کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہارون الرشید بطور مزاح ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ میں نے تو آپ سے ایک فرض کی بابت استفسار کیا تھا مگر آپ نے پوری زندگی کا حساب کھول کر رکھ دیا۔

اعرابی نے کہا: اے ہارون! اگر دین کے اندر حساب کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو اللہ جل مجدہ قیامت کے دن بندوں سے کوئی حساب نہ لیتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا

وَكَفَىٰ 'بِنَا حَاسِبِينَ' ۝ (سورۃ انبیاء: ۲۱/۴۷)

سوسکی جان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا (تو) ہم اسے (بھی) حاضر کر دیں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔
یہ سن کر امیر المومنین ہارون الرشید کا چہرہ غصے سے تھمٹا اٹھا، اور اُس وقت اس کی کیفیت دیدنی تھی جب اعرابی نے ”یا امیر المومنین“ کہنے کی بجائے اسے ”یا ہارون“ کہہ کے مخاطب کیا۔

وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اعرابی کو اس کے غیظ و غضب سے محفوظ رکھا اور یہ سوچ کر ہارون الرشید کی عقل بھی لوٹ آئی کہ اسے ایسا کہنے کی جرأت بھی اللہ جل مجدہ نے بخشی تھی۔

پھر ہارون الرشید نے کہا: مجھے اپنے آباؤ اجداد کی عظمت کی قسم! اگر تم نے اپنی جمل باتوں کی وضاحت نہ کی تو میں صفا و مروہ کے درمیان تمہاری گردن مروادوں گا۔

دربان نے گزارش کی: اے امیر المومنین! اسے معاف فرمادیں اور اس مقدس مقام کی حرمت کے طفیل اسے اللہ واسطے چھوڑ دیں۔ اعرابی ان دونوں کی باتیں سن کر بے ساختہ ہنس پڑا۔

ہارون الرشید نے پوچھا: کس چیز نے تمہیں ہنسنے پر مجبور کیا؟
اس نے کہا: دراصل مجھے تم لوگوں کی باتوں پر تعجب ہو رہا ہے؛ کیوں کہ ایک تو یقینی موت کو بخشوانا چاہتا ہے جب کہ دوسرا اُس موت کے لانے میں جلدی کر رہا ہے جس کا وقت نہیں آیا۔

جب ہارون الرشید نے اس کی یہ بات سنی تو دنیا اس کی نگاہوں میں حقیر معلوم ہونے لگی، اور وہ کہنے لگا: میں نے تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے اس لیے برائے کرم تم اپنی باتوں کی وضاحت کر دو؛ کیوں کہ میرا پیانہ شوق و صبر لبریز ہوا جاتا ہے اور میں تیری تفسیر سننے کے لیے بے چین ہوں۔

اعرابی نے کہا: جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا فرض عائد کیا ہے تو سن لیں کہ اللہ نے مجھ پر بہت سے فرائض عائد کیے ہیں۔ میں نے جو آپ سے ایک فرض کی بات کی تھی تو دراصل اس سے میری مراد دین اسلام ہے..... پانچ فرائض کا مطلب پنج وقتہ نمازیں ہیں..... سترہ فرائض سے مراد شب و روز میں کل سترہ فرض رکعتیں ہیں..... چونتیس فرائض سے مراد چونتیس سجدے ہیں..... چورانوے فرائض سے مراد ان نماز کی تکبیرات ہیں..... چالیس میں سے ایک فرض سے مراد چالیس دینار میں سے ایک دینار کی زکوٰۃ ہے..... پوری زندگی میں ایک فرض سے مراد حج بیت اللہ شریف ہے..... دو سو میں سے پانچ سے مراد دو سو درہم میں سے پانچ درہم کی زکوٰۃ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیر نفیس سن کر ہارون الرشید کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، اعرابی کی یہ باتیں اس کے شعور کی تہوں میں گھس چکی تھیں اور اس کی علمی عظمت و جلالت کا سکہ ہارون الرشید کے دل پر بیٹھ چکا تھا۔

اعرابی ہارون الرشید سے کہتا ہے: آپ نے چوں کہ سوال کیا تھا سو میں نے جواب دے دیا۔ اب میرے ایک سوال کو آپ حل فرمائیں۔ ہارون الرشید نے کہا: پوچھیں کیا پوچھتے ہیں؟ اعرابی نے کہا: مومنوں کا امیر اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے جس پر صبح کے وقت ایک کو دیکھنا حرام ہو لیکن جب ظہر ہو تو وہ عورت اس پر حلال ہو جائے اور جب عصر ہو تو پھر حرام ہو جائے، جب مغرب ہو تو حلال ہو جائے اور عشا کے وقت پھر حرام ہو جائے اور فجر کے وقت پھر حلال۔ اسی طرح ظہر کے وقت حرام، عصر کے وقت حلال، مغرب کے وقت حرام اور عشا کے وقت پھر حلال ہو جائے؟۔

اعرابی کا سوال سن کر ہارون الرشید کے اوسان خطا کر گئے اور کہنے لگا کہ تمہارے سوال نے مجھے ایسے سمندر میں ڈال رکھا ہے جس سے تمہارے علاوہ کوئی اور مجھے نہیں نکال سکتا۔

اعرابی کہتا ہے کہ آپ امیر المومنین اور قوم میں سب سے بڑے ہیں۔ آپ کو کسی بات میں لا جواب نہیں ہونا چاہیے، پھر میرے سوال سے کیسے عاجز آ گئے ہیں!۔

یہ سن کر ہارون الرشید کہہ پڑا کہ بے شک آپ علم و فضل کے اعتبار سے بہت عظیم ہیں؛ اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ میری عظمت اور اس مقدس گھر کی رفعت کا خیال رکھتے ہوئے خود ہی اپنے سوال کا جواب مرحمت فرمائیں۔

اعرابی نے کہا: آپ کا حکم سر آنکھوں پر، میں بصد شوق بیان کیے دیتا ہوں۔ میں نے ایک شخص کے متعلق سوال کیا کہ اس کا صبح کے وقت ایک عورت کو دیکھنا حرام ہے تو یہ وہ ہے جو کسی غیر کی لونڈی کو دیکھے کہ یہ لونڈی اس پر حرام ہے، اور جب ظہر ہو تو اس کو خرید لے، اب وہ اس کے لیے حلال ہوگئی، لیکن جب عصر ہو تو آزاد کر دے، اب وہ اس پر حرام ہوگئی۔ لیکن جب مغرب ہو تو اس سے نکاح کر لے تو وہ پھر اس پر حلال ہوگئی۔ جب عشا ہو تو طلاق دے دے، اب پھر وہ حرام ہوگئی لیکن جب فجر ہو تو رجوع کر لے اب وہ دوبارہ حلال ہوگئی۔ جب ظہر ہو تو وہ شخص اسلام سے پھر جائے تو وہ اس پر حرام ہوگئی لیکن جب عصر ہو تو توبہ کر کے عورت سے رجوع کر لے تو وہ اس کے لیے حلال ہوگئی۔ جب مغرب ہو تو عورت مرتد ہو جائے تو وہ اس پر حرام ہوگئی لیکن جب عشا ہو تو توبہ کر کے رجوع کر لے تو پھر حلال ہوگئی۔

کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہارون الرشید ورطہ حیرت میں پڑ گیا اور اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ فرط مسرت میں اسے دس ہزار درہم پیش کرنا چاہا؛ مگر اعرابی نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں، جو مستحقین ہیں ان کے حوالے کر دیں۔

ہارون الرشید نے پوچھا: تو کیا آپ چاہیں گے کہ میں آپ کے لیے کچھ وظیفہ متعین کر دوں جو آپ کو پوری زندگی ملتا رہے۔ اعرابی نے کہا: جو ذات آپ کو رزق دے رہی ہے، وہی میرے رزق کی بھی ضامن ہے؛ سو آپ اس کے لیے فکر مند نہ ہوں۔

ہارون الرشید نے کہا: اگر آپ کے اوپر کچھ قرض ہو تو ہم ادا کر دیں، لیکن اعرابی نے اس سے کچھ بھی قبول نہ کیا، اور اس کے سامنے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے :

ہب الدنيا تو اتينا سنيينا ☆ فتكدر تارة و تلذ حينا
 فما أَرْضَى بشيء ليس يبقی ☆ و أتركه غدا للوارثينا
 كَأني بالتراب علي يحشى ☆ و بالآخوان حولي نائحين
 و يوم تفر النيران فيه ☆ و تقسم جهرة للسامعينا
 و عزة خالقي و جلال ربي ☆ لَأنتقمن منكم أجمعينا

یعنی دنیا کے عطیات کئی سالوں سے لگا تار ہمارے پاس آرہے ہیں کبھی تو میلے کھیلے ہوتے ہیں اور کبھی لذت بخش؛ لیکن میں ان میں سے کسی بھی ایسی شے کو قبول کرنے کو تیار نہیں جو میرے مرنے کے بعد باقی نہ رہے اور میں کل اسے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ جاؤں۔ گویا قبر میں مجھ پر مٹی ڈالی جا رہی ہے اور میرے دوست آشنا میرے ارد گرد کھڑے نوحہ کننا ہیں۔ اور گویا وہ دن آچکا ہے جس میں آگ کے شعلے بھڑک کر لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں اور وہ دن سننے والوں کو قسم دے رہا ہے کہ میرے رب کی عزت و جلال کی قسم! میں تم سب سے ضرور انتقام لوں گا۔

جب اعرابی اشعار سنا چکا تو ہارون الرشید نے افسوس ناک آہ کھینچتے ہوئے اس سے اس کا نام و نسب اور قبیلہ و وطن کی بابت استفسار کرنے لگا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ موسیٰ رضا بن جعفر صادق بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔ دیہاتیوں کے لباس میں ملبوس رہتے ہیں؛ مگر زہد و ورع کے پیکر ہیں۔ یہ سن کر ہارون الرشید کھڑا ہو گیا اور اس نے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسے دیے۔ اور پھر (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے) یہ آیت مبارکہ پڑھی :

اللَّهُ أَغْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۝ (سورۃ النعام: ۱۲۴)

اللہ خوب جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت کا محل کسے بنانا ہے!۔ (۱)

دل سے جو بات نکلتی ہے....

حضرت فضل بن ربیع علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید کے ساتھ میرا مکہ معظمہ جانا ہوا۔ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران خلیفہ نے مجھ سے کچھ پوچھنا چاہا مگر پوچھ نہ سکا۔ بعد میں جب ہم نے حج کے جملہ ارکان و مناسک مکمل کر لیے، تو ایک روز مجھ سے پوچھتا ہے: یہاں کوئی مردِ حق ہے جس کی میں زیارت کر سکوں؟۔

میں نے کہا: ہاں عبدالرزاق صغانی یہاں پر موجود ہیں۔

کہا: مجھے ان کے پاس لے چلو۔

ہم وہاں پہنچ گئے۔ کچھ دیر بیٹھ کر جب اُٹھنے لگے تو ہارون الرشید نے اشارہ سے کہا: پوچھو ان پر کوئی قرض ہے؟۔ معلوم ہوا قرض ہے، چنانچہ وہ چکا دیا گیا۔

باہر نکل کر خلیفہ نے کہا: میرا دل تانہوز تشنہ ہے، کسی اور بڑے بزرگ سے ملنا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا: سفیان بن عیینہ بھی ان دنوں یہیں ہیں۔

کہا: مجھے ان کے پاس لے چلو۔ وہاں بھی کچھ دیر بیٹھے۔ چلتے وقت خلیفہ نے پھر قرض سے متعلق دریافت کیا: قرض نکلا، وہ بھی ادا کر دیا گیا۔

خلیفہ نے کہا: میرا مقصود ابھی بھی حاصل نہیں ہوا، کسی اور کی بابت معلوم کرو۔

میں نے کہا: حضرت فضیل بن عیاض بھی یہاں موجود ہیں۔ ہم وہاں گئے۔ دیکھا تو

(۱) الرّوض الفائق فی الموعظ والرفاق: ۱۰۸ تا ۱۱۰۔

وہ ایک حجرے میں بیٹھے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ ہم نے دروازہ پر دستک دی۔ آواز آئی کون؟۔

میں نے کہا: امیر المومنین ہارون الرشید تشریف لائے ہیں۔

جواب ملا: ہمیں خلیفہ وقت سے کیا لینا دینا؟۔

میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نہیں: ”کسی شخص کو طاعت حق میں ذلت طلب نہیں کرنی چاہیے۔“

جواب ملا: ٹھیک ہے؛ مگر رضائے حق دائمی شان و شوکت کا باعث ہے۔ تم مجھے ذلت میں دیکھتے ہو اور میں اپنے آپ کو رفیع المرتبت پاتا ہوں۔ یہ کہہ کر فضیل بن عیاض نیچے اترے، چراغ گل کر دیا اور خود ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔

ہارون الرشید اندھیرے میں ادھر ادھر ٹوٹتا رہا، آخر کار اس کا ہاتھ اُن تک پہنچ گیا۔ فضیل نے کہا: ایسا نرم و گداز ہاتھ میں نے کبھی نہیں دیکھا، کیا عجب کہ عذاب خداوندی سے بچ رہے۔

یہ سن کر ہارون الرشید رونے لگا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو کہا: خدا واسطے مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔

فرمایا: تمہارے جد امجد یعنی حضرت عباس، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے، انھوں نے مختار کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے امارت طلب کی، تو آپ نے فرمایا: چچا! دنیوی حکومت کی بجائے میں آپ کو قلبی حکومت دیتا ہوں۔

اللہ جل مجدہ کی بندگی میں گزرا ہوا زندگی کا ایک لمحہ خلقت کی ہزار سالہ حکومت سے بہتر ہے۔ امارت روزِ قیامت ندامت کا باعث ہوگی۔

ہارون الرشید نے کہا: کچھ اور فرمائیے۔

آپ نے فرمایا: جب عمر بن عبدالعزیز کو خلافت تفویض ہوئی، تو انھوں نے سالم بن عبداللہ، جابر بن حیوۃ اور محمد بن کعب رضی اللہ عنہم کو بلا کر کہا: کوئی تدبیر کیجیے امارت مصیبت ہے اور میں مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

ان میں سے ایک نے کہا: اگر عذاب خداوندی سے نجات درکار ہے تو بوڑھوں کو باپ، جوانوں کو بھائی اور چھوٹوں کو فرزند تصور کرو اور ان سے وہ سلوک روا رکھو جو گھر میں باپ، بھائی اور بیٹے سے روا رکھا جاتا ہے۔ سب ولایت تمہارا گھر ہے، اور اس کے باشندے کنبہ۔ باپ کی زیارت کرو، بھائی پر احسان کرو، اور فرزند سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔

ہارون الرشید! مجھے خوف ہے تمہارا یہ خوبصورت جہنم کے آتش سوزاں کے سپرد نہ ہو۔ خداوند قدوس کی خشیت اختیار کرو اور اس کے حقوق بطریق احسن پورے کرو۔

ہارون نے پوچھا: آپ پر کوئی قرض ہو تو بتائیں۔

فرمایا: ہاں! قرض ہے اور وہ خدا کی طاعت کا قرض ہے، جسے تم نہیں چکا سکتے اور جس کے متعلق مجھے ہمیشہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں اس کی بابت میری گرفت نہ ہو۔

ہارون نے کہا: میرا مطلب مخلوق کا قرضہ ہے۔ فرمایا: اللہ نے مجھے اس کام کے لیے دنیا میں نہیں بھیجا کہ لوگوں سے قرض لیتا پھروں بلکہ اس نے اپنی طاعت و بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے، قرآن کریم میں وہ خود فرماتا ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ
وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝
(سورہ ذاریات: ۵۱ تا ۵۸)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔ نہ میں ان سے رِزق (یعنی کمائی) طلب کرتا ہوں اور نہ اس کا

طلب گارہوں کہ وہ مجھے (کھانا) کھلائیں۔ بیشک اللہ ہی ہر ایک کا روزی رساں ہے، بڑی قوت والا ہے، زبردست مضبوط ہے (اسے کسی کی مدد و تعاون کی حاجت نہیں)۔

تو باری تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں جو اس کے بندوں سے بیان کروں۔

ہارون الرشید ہزار دینار کی ایک تھیلی ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہوا کہ اسے قبول فرمائیں اور اپنے کام میں لائیں۔

فضیل بن عیاض نے فرمایا: افسوس! میری تمام نصیحت رائیگاں گئی۔ تو نے ظلم کا راستہ اختیار کیا اور مجھ پر بھی ظلم کو روا رکھا۔

ہارون نے پوچھا: میں نے کیا ظلم کیا؟

فرمایا: میں تجھے راہِ نجات دکھاتا ہوں اور تو مجھے چاہِ ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ یہی ظلم ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ہارون روتا ہوا باہر نکل آیا اور کہا: حقیقت میں فضیل بادشاہ اور مسلمانوں کے سردار ہیں۔ (۱)

چار مقبول لڑکیاں

حضرت محمد بن مروان سدوسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خانہ کعبہ میں رکن یمانی کے قریب طواف کرنے میں مشغول تھا کہ اچانک چار لڑکیوں کو آتے دیکھا، ان کے چہروں پر برگزیدگی کے آثار نمایاں تھے۔ ان میں سے سب سے بڑی نے غلاف کعبہ سے لپٹ کر عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ الہی میں عرض کیا:

(۱) کشف الحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر: ۱۷۶ تا ۱۷۵..... صفحہ الصفوۃ: ۲۳۳۔

إليك حجي لا للبيت و الحجر

و لا طواف بأركان و لا جدر

یعنی مولا! میرا حج تو صرف تیرے لیے ہے، نہ بیت اللہ شریف کا اور نہ حجر
اسود کا۔ یوں ہی میرا طواف نہ تو (چاروں) ارکان کے لیے ہے اور نہ کعبہ کی
دیواروں کے لیے۔

پھر اس نے اپنے سر کو بلند کر کے کہا :

اے پروردگار! تیری محبت نے مجھے مضطرب کر دیا ہے اور میں عشق و محبت میں
وارفتہ ہو گئی ہوں۔ اسی وارفتگی شوق نے دور سے کھینچ کر مجھے تیری دہلیز پر لا کر ڈال
دیا ہے۔

اے میرے مولا! اگر میری لغزشوں نے مجھے تیری بارگاہ سے لوٹا دیا تو مجھے
میری محبت تیرے دروازے پر کھینچ لائے گی۔ اگر میرے گناہوں نے مجھے تیرے
دروازے سے دور کر دیا تو تیرے عفو و کرم کی اُمید مجھے تیرے قریب کر دیگی، اگر
میری خطاؤں نے مجھے قید کر دیا تو تیری طرف رجوع میں میرا اخلاص مجھے آزاد
کرادے گا۔

اے مالک و مولا! مجھے تیرا وصال کب نصیب ہوگا، تیری بارگاہِ جمال تک کب
پہنچوں گی؟۔

اے وحشت زدوں کے دوست، اے اہل محبت کے محبوب، اے خائفین کو پناہ
دینے والے، اے گنہ گاروں پر رحم کرنے والے، اے تائبین کی توبہ قبول فرمانے
والے، اور اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!! مجھ پر اپنی خاص رحمت کا
نزول فرما اور میری مغفرت کا سامان کر۔

پھر اس نے لمبا سانس لیا اور چند اشعار پڑھے :

استغفر اللہ مما کان من زللی

و من ذنوبی و تفریطی و إصراری

یا رب ہب لی ذنوبی یا کریم فقد

أمسکت حبل الرجاء یا خیر غفار

یعنی میں اپنے گناہوں، لغزشوں، خطاؤں اور کوتاہیوں پر اصرار سے اللہ کی مغفرت و معافی کی خواستگار ہوں۔

اے میرے رب ذوالجلال! میرے گناہوں کی مغفرت فرمادے، اے بخشنے والے مہربان! میں نے امید کی رسی مضبوطی سے تھام لی ہے۔

پھر وہ غمگین و پریشان بیٹھ گئی اور دوسری مضطرب و بے قرار ہو کر گریہ و زاری کرتے ہوئے پکارنے لگی :

اے تمام امیدوں کی انتہا! اے نیکیوں کو نیک اعمال پر ابھارنے والے! اے عارفین کے دلوں میں محبت کی قندیل روشن کرنے والے! اے وحشت زدوں کے انیس! اے دلوں کے طبیب! اور اے گناہوں کو بخشنے والے! میرا جسم تیری محبت کی تپش سے پکھل رہا ہے، مجھے تیری بارگاہ میں پیش ہوتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! مجھ پر بھی اپنی خاص رحمت و انوار کا نزول فرما اور میرے جرم و خطا غلط فرمادے۔

پھر وہ ادھر ادھر گھومنے لگی اور اس کے لبوں پر یہ اشعار رقص کر رہے تھے :

وعندک یا منی قلبی دوائی

أتیتک أشتکی سقمی و دائی

فیرحم عبرتی و یری بکائی

فلا أحد سواک إلیہ أشکو

فيا مولی الوری جد لی بعفو و من بنظرة فیها شفائی

یعنی میں تیری بارگاہ میں اپنی کمزوری و بیماری کی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ اے میرے دل کی آرزو! میرے مرض کی دوا تیرے پاس ہے۔

تیرے سوا کوئی نہیں جسے میں اپنی بیماری بتا سکوں اور وہ میری گریہ و زاری کو دیکھے اور میرے آنسوؤں پر رحم کرے۔

اے ساری مخلوق کے مالک و مولا! اپنی بخشش و کرم کی بارش فرما کر مجھ پر احسان فرما اور ایسی نظر رحمت فرما دے جس میں میری شفا کا سامان ہو۔

پھر وہ بیٹھ گئی اور تیسری کھڑی ہوئی، وہ بھی کافی دیر تک زار و قطار روتی رہی، پھر عرض کرنے لگی :

اے پروردگار! میرے گناہوں نے مجھے تیرے دروازے سے دھتکار دیا ہے اور دائمی غفلت نے تیری بارگاہ سے دور کر دیا ہے۔ میں تیرے دروازے پر ذلت و محتاجی کے ساتھ گناہوں اور خطاؤں کی معافی کی آس لگائے کھڑی ہوں، اور میں تیرے عذاب سے فرار ہو کر تیری پناہ میں آگئی ہوں۔
پھر اس نے بھی چند اشعار پڑھے :

و مالی من أرجوہ یا خیر و اہب
سواک فج دلی بالذی أنت اہله
لأعطي من الأفضال أسنی الموابہ
إذا لم أمت شوقاً إلیک و حسرة
علیک فلا بلغت منک مآربی

یعنی اے میرے پروردگار! تیرے دروازے پر میں نے ڈیرا ڈال رکھا ہے۔ اے بہتر عطا فرمانے والے! تیرے علاوہ میرا ہے کون! جس سے میں کوئی امید رکھوں۔

مجھ پر اپنی شان کے مطابق جو دو کرم فرما اور مجھے اپنا بہترین فضل عطا فرما۔
اگر میں تیرے شوقِ دید اور حسرتِ دیدار میں نہ مری تو اپنے مقصود سے ہاتھ
دھو بیٹھی۔

یہ اشعار پڑھ کر آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب لیے وہ ایک سمت میں بیٹھ گئی۔ پھر
چوتھی لڑکی روتے ہوئے کھڑی ہوئی، اور حسرت کے عالم میں اپنے گناہوں کی معافی
طلب کرنے لگی۔ چنانچہ اس نے عرض کیا :

یا الہی! تو نے عبادت و ریاضت کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ تیرے دروازے
پر کھڑے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔

اے میرے پروردگار! اگر معاف کرنا تیری صفت نہ ہوتی تو عبادت و مجاہدہ
کرنے والے جب گناہوں میں مبتلا ہوتے تو تیری بارگاہ میں نہ آتے۔

اے میرے مالک و مولا! اگر تو معاف نہ کر سکتا تو میں تجھ سے کبھی مغفرت کی
اُمید نہ رکھتی۔ لیکن تیری یہ شان ہے کہ تو مجھ پر اپنی وسیع رحمت کے ساتھ کرم فرما
سکتا ہے؛ لہذا اے وہ ذات جس سے کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ شے بھی مخفی نہیں!
اور اے وہ ذات جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں! تو میرے گناہوں کی پردہ
پوشی فرما۔ تو میرے گناہوں کو غلط کر دے، بس تو ہی میرا مطلوب و مقصود ہے۔

پھر اس نے درج ذیل اشعار پڑھے :

تَعَطُّفٌ بِفَضْلِ مَنْكَ يَا مَلِكَ الْوَرَى	فَأَنْتَ مَلَاذِي سَيِّدِي وَ مَعِينِي
لَنْ أَبْعِدَ نَفْسِي عَنْ جَنَابِكَ زَلْتِي	فَإِنْ رَجَائِي فَيْكَ حَسَنٌ يَقِينِي
وَظَنِّي جَمِيلٌ إِنِّي مَنْكَ أَرْتَجِي	عَوَاطِفُكَ الْحَسَنِي فَخِذْ بِيَمِينِي

یعنی اے مخلوق کے مالک! اپنے فضل سے مجھ پر عنایت کی ہوا چلا دے۔ تو ہی
میری پناہ گاہ، میرا مالک اور میری مدد فرمانے والا ہے۔

اگر میری لغزشوں نے مجھے تیری بارگاہ سے دور کر دیا ہے تو کوئی غم نہیں؛ کیوں کہ تیرے متعلق مجھے حسن ظن ہے۔

اور میرا حسن ظن یہ ہے کہ میں تجھ سے تیرے انعام و اکرام کی اُمید رکھتی ہوں؛ لہذا میری دستگیری فرما۔

حضرت محمد بن مروان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان لڑکیوں کی عارفانہ گفتگو اور سوز آگس دعائیں سن کر جہاں میری آنکھیں آنسوؤں میں ڈبڈبا گئیں وہیں ان کی پند و نصیحت سن کر میرا دل خوشیوں سے جھوم اُٹھا۔^(۱)

انسانی چہرے والا جانور

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: میں نے مکہ معظمہ میں ایک نصرانی کو طواف کرتے ہوئے دیکھا جو اسقف کے نام سے مشہور تھا۔ میں نے پوچھا: کس چیز نے تمہیں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے پھیر دیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس سے بہتر چیز اختیار کر لی ہے۔ میں نے پوچھا: یہ سب کیسے ہوا؟ تو اس نے اپنا واقعہ یوں بیان کرنا شروع کیا:

میں سمندر میں ایک کشتی پر سوار تھا، تھوڑی دور پہنچنے کے بعد کشتی ٹوٹ گئی۔ میں اس کے ایک تختے پر لٹک گیا، سمندر کی موجیں مجھے ڈھکیلیتی رہیں، یہاں تک کہ میں ایک جزیرے میں جا پہنچا۔ جہاں کثیر درخت تھے جن کے پھل شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم تھے۔ ایک صاف و شفاف نہر تھی۔

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۱۹۳ تا ۱۹۴۔

میں نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا: اب میں یہ پھل کھاؤں گا، اور نہر سے پانی پیوں گا جب تک کہ کوئی راستہ نہیں ملتا۔ جب رات ہوئی تو میں جانوروں کے خوف سے درخت پر چڑھ کر کسی ٹہنی پر سو گیا، رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد میں نے سطحِ آب پر ایک جانور کو بزبانِ فصیح یوں تسبیح کرتے ہوئے دیکھا :

لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ العزيز الجبار ، محمد رسول الله النبي المختار ،
أبو بكر الصديق صاحبه في الغار ، عمر الفاروق فاتح الأمصار ،
عثمان القتييل في الدار ، علي سيف الله على الكفار ، فعلى
مبغضهم لعنة العزيز الجبار ، و مأواه النار و بنس القرار .

یعنی اللہ عزیز و جبار کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ نبی و رسول ہیں۔ ابوبکر صدیق غار میں ساتھ رہنے والے، عمر فاروق شہروں کو فتح کرنے والے، عثمان غنی گھر میں شہید ہونے والے اور علی مرتضیٰ کفار پر اللہ تعالیٰ کی تلوار ہیں۔ ان سے بغض رکھنے والوں پر عزیز و جبار کی لعنت ہو، ایسے (بد بخت) کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیسا ہی برا ٹھکانہ ہے!۔

وہ جانور یہی کلمات بار بار دہراتا رہا، طلوع فجر کے بعد اس نے پھر چند کلمات کہے :

لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الصادق الوعد و الوعيد ، محمد رسول الله
الهادي الرشيد ، أبو بكر الموفق السديد ، عمر الفاروق سور من
حديد ، عثمان الفضيل الشهيد ، علي بن أبي طالب ذو البأس
الشديد ، فعلى مبغضهم لعنة الرب المجيد .

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس کے وعدہ و وعید سچے ہیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو رشد و ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ ابوبکر کو صحیح رائے کی توفیق دی گئی۔ عمر بن خطاب کافروں کے لیے آہنی

دیوار ہیں۔ عثمان فضیلت والے شہید ہیں اور علی بن ابی طالب زبردست قوت والے ہیں۔ ان سے بغض رکھنے والوں پر رب مجید کی لعنت ہو۔

جب وہ جانور خشکی پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس کا سر شتر مرغ جیسا، چہرہ انسان جیسا، ٹانگیں اونٹ کی ٹانگوں کی طرح اور دم مچھلی کی مانند ہے، میں ہلاکت کے خوف سے بھاگنے ہی والا تھا کہ اس نے مجھے دیکھ کر کہا: رک جاؤ، ورنہ ہلاک ہو جاؤں گے۔

میرے رکنے کے بعد اس نے مجھ سے میرے دین کے متعلق دریافت کیا تو میں جواب دیا: نصرانیت۔ اس نے کہا: اے نقصان اُٹھانے والے! بربادی ہے تیرے لیے، دین اسلام اختیار کر لے کہ تو مومنین جنات کی قوم میں پہنچ چکا ہے۔ ان سے سوائے مسلمان کے کوئی نجات نہیں پاسکتا۔

میں نے پوچھا: اسلام کیسے لاؤں؟ اس نے بتایا: اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

چنانچہ میں کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا پھر اس نے کہا: تیرا اسلام کامل تب ہوگا جب تو خلفائے اربعہ سے راضی رہے گا۔ میں نے کہا: تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟۔

اس نے جواب دیا: ہماری ایک قوم نبی کریم، رووف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں حاضر ہوئی، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا: جب قیامت کا دن ہوگا تو جنت لائی جائے گی۔ وہ عرض کرے گی: یا اللہ! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے کونوں کو مضبوط کرے گا۔ اللہ فرمائے گا: میں نے تیرے کونوں کو خلفائے اربعہ سے مضبوط کر دیا ہے اور تجھے حسن و حسین سے زینت بخشی ہے۔

پھر اس جانور نے مجھ سے پوچھا: تم یہاں ٹھہرنا چاہتے ہو یا اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹنا چاہتے ہو؟۔ میں نے کہا: اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: تو پھر یہاں کھڑے رہو، ایک کشتی کا یہاں سے گزر ہوگا۔

میں وہاں کھڑا رہا، وہ جانور سمندر میں اُتر کر میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا پھر ایک کشتی وہاں سے گزری جس میں چند افراد سوار تھے۔ میرے اشارہ کرنے پر انہوں نے مجھے بھی سوار کر لیا۔ اس میں بارہ نصرانی تھے، جب میں نے ان کو اپنا واقعہ بتایا تو سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر مجھے یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کا اللہ کے ہاں ضرور کوئی راز ہے کہ ان کی برکت سے مجھے اسلام کی دولت ملی اور بلند مقام نصیب ہوا۔ (۱)

فطری جذبات

حضرت عبدالملک بن قریب الاعمی رحمہ اللہ (م ۲۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ میں خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھا کہ اچانک میرا ایک شخص سے سابقہ پڑا جس کے سر پر ایک گٹھری تھی اور دیوانہ وار طواف کیے جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ نوجوان! تو طواف کرتا ہے اور تیرے سر پر گٹھری ہے؟

اس نے کہا: یہ تو میری والدہ ہیں جس نے مجھے اپنے پیٹ میں نو ماہ اٹھائے رکھا۔ میرا ارادہ ہوا کہ کس طرح اس کا حق ادا ہو جائے!

میں نے کہا: کیا میں تجھے ایسی تدبیر نہ بتاؤں کہ جس سے تیری والدہ کا حق ادا ہو جائے۔ اس نے کہا ضرور، وہ کیسے! میں نے کہا: اس کا کسی سے نکاح کر دے۔

یہ سن کر جوان بھڑک اٹھا اور کہنے لگا: خدا تیرا بیڑا غرق کرے، کیا تو میری ماں کے بارے میں ایسا کہہ رہا ہے۔ لیکن اوپر سے اس کی ماں کے جذبات نے گوارا نہ کیا، اور ہاتھ اٹھا کر اپنے خدمت گزار بیٹے پر دے مارا اور اس کے منہ کو بند کرتے ہوئے کہا کہ بے وقوف وہ صحیح بات کہہ رہا ہے اور تو اس سے ناراض ہو رہا ہے! (۱)

(۱) الرض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۴۰۲ تا ۴۰۳۔

(۲) المنتظم: ۲۸۴/۳..... فقہ الیمن: ۱۵، مطبع مجتہائی۔

عرفانِ الہی کا جداگانہ رنگ

حضرت اسمعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دورانِ طواف ایک اعرابی کو دیکھا جسے آشوبِ چشم نے آلیا تھا اور اس کی آنکھوں سے **کچھڑ** بہا جا رہا تھا۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں ٹوک پڑا: اپنی آنکھیں صاف کیوں نہیں کر لیتے؟۔

کہنے لگا: دراصل طبیب نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا ہے، اور جس چیز سے طبیب روک دے اس سے رُک جانے ہی میں خیر ہوتی ہے۔

میں نے اس سے پوچھا؟ تجھے کسی چیز کی خواہش ہو تو بتا؟۔ بولا :

أشتهي لكن أحتمي، لأنني رأيت أهل الجنة غلبت حميتهم
على شهوتهم، فهم لا يشتهون بعدها أبدا،

و رأيت أهل النار غلبت شهوتهم على حميتهم فلذا لك
افتضحوا و شقوا شقاوة لا يسعدون بعدها أبدا .

یعنی خواہش تو ہے لیکن میں پرہیز کو ترجیح دیتا ہوں؛ کیوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل بہشت کا پرہیز ان کی خواہش پر غالب رہتا ہے تو اس کے بعد انھیں پھر کسی چیز کی خواہش نہیں رہ جاتی۔

یوں ہی مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل جہنم کی خواہش ان کے پرہیز پر غالب رہتی ہے، جس کے باعث انھیں رسوائی و شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے اور ایسی بدبختی ان کا مقدر بن جاتی ہے کہ پھر انھیں کبھی سعادت نصیب نہیں ہوتی!۔ (۱)

(۱) الزہر الفالح فی ذکر من تنزه عن الذنوب والقباہ: ۸۔

خدا یا یہ تیرے پر اسرار بندے

حضرت ابوالفضل عباس بن فرج ریاشی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت الاصمعی کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ ایک دن میں جامع مسجد سے نکل کر بصرہ کی طرف چلا، ابھی میں اس کی کسی گلی ہی میں تھا کہ اتنے میں اونٹ پر سوار ایک اکھڑ اور اُجڈ قسم کا اعرابی آدھمکا جس کی گردن میں تلوار حائل تھی اور ہاتھوں میں کمان تھی، قریب آ کر اس نے مجھے سلام کیا اور پوچھا: کس قبیلے سے تمہارا تعلق ہے؟

میں نے کہا: بنی اصمعی سے۔

پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم اصمعی ہو؟

میں نے کہا: ہاں۔

پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟

میں نے کہا: ایک ایسی جگہ سے جہاں پر اللہ کے کلام کی تلاوت کی جاتی ہے۔

پوچھا: کیا اللہ کا کوئی ایسا کلام بھی ہے جس کی انسان تلاوت کرتے ہیں؟

میں نے کہا: ہاں بالکل۔

اب وہ کہتا ہے کہ تو پھر اس میں سے کچھ مجھے بھی سناؤ۔

میں نے کہا: اپنی سواری سے اُترؤ؛ چنانچہ وہ اُتر اور میں نے سورہ ”والذاریات ذروا“ پڑھنا شروع کر دیا۔ جب اس آیت پر پہنچا: وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ تو وہ اعرابی پوچھ پڑا: کیا یہ اللہ کا کلام ہے؟

میں نے کہا: اور کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا بلاشبہ یہ اس کا کلام ہے جس کو اس نے اپنے نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ

والہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔

اعرابی نے مجھ سے کہا: اب بس کیجیے اتنا بہت ہے۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اپنی اوٹنی کو اس نے تلوار سے ذبح کر دیا، اس کا چمڑا الگ کیا اور کہنے لگا: آؤ اس کی تقسیم پر میری مدد کرو۔ چنانچہ ہم نے آنے جانے والے لوگوں میں اسے بانٹ دیا۔

پھر اس نے اپنی تلوار توڑ کر زمین میں گاڑ دی، اور یہ کہتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بیاباں کی طرف نکل گیا: ”وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ“ اور بار بار اس آیت کی تلاوت کرتا رہا، جب وہ بصرہ کی دیواروں کی اوٹ میں چلا گیا، تو میں اپنے نفس کو ملامت کرنے لگا اور میں نے جی میں کہا: اے اِصمعی! تم تیس سال سے قرآن پڑھ رہے ہو، اس آیت سے اور اس قسم کے امثال و قصص سے نہ معلوم کتنی بار تمہارا گزر ہوا ہوگا؛ مگر تمہیں کبھی وہ عرفان و تنبیہ نصیب نہیں ہوئی جیسا کہ اس اعرابی کو جسے اتنا بھی پتا نہیں کہ اللہ کا کوئی کلام بھی ہے!۔

بہر حال! ایک مرتبہ امیر المومنین ہارون رشید کے ساتھ میرا حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوا۔ طواف خانہ کعبہ میں لگا ہوا تھا کہ اتنے میں کسی آواز دینے والے نے مدھم آواز میں بلاتے ہوئے کہا: اے اِصمعی! ادھر آؤ، اے اِصمعی! ادھر آؤ۔ کہتے ہیں کہ جب میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی لاغر و نحیف اور زرد رنگ اعرابی کھڑا ہے۔

پھر وہ میرے پاس آیا اور سلام کیا، اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مقام ابراہیم کے پیچھے مجھے بٹھایا اور کہا: ذرا ایک بار اور اللہ کا وہ کلام مجھے سناؤ جس کی ایک مرتبہ آپ نے تلاوت کی تھی؛ چنانچہ پھر میں نے سورہ ذاریات پڑھنا شروع کی، جب ”وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ“ پر پہنچا تو اعرابی کی چیخ نکل گئی اور اس نے دوبار کہا: بیشک اللہ

نے ہم سے جس کا وعدہ لیا تھا اسے بالکل سچ پایا۔

پھر پوچھا: اے اصمعی! کیا اس کے علاوہ بھی اللہ کا کوئی کلام ہے؟۔

میں نے کہا: ہاں، اے اعرابی! یہ دیکھ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقُّ مِثْلَ مَا أَنْكُمْ تَنْطُقُونَ ۝

یہ سن کر پھر اعرابی چیخ پڑا اور کہا: اللہ تیری شان بلند! من ذا اغضب الجلیل

حتی حلف؟ أفلم یصدقوه بقوله حتی الجؤوه إلى الیمین۔

اس نے یہ جملہ تین بار دہرایا اور وہیں اس کی روح پرواز کر گئی۔ (۱)

اور شہزادے کا دل پسچ گیا

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک روز حضرت منصور بن عمار علیہ الرحمہ (م ۲۲۵ھ) بصرہ کی گلیوں سے گزر رہے تھے۔ آپ نے ایک جگہ ایک محل نما عمارت دیکھی جس کی دیواریں نقش و نگار سے مزین تھیں، اور اس کے اندر خدام و حشم کا ایک ہجوم تھا جو ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر مختلف کاموں کو سرانجام دینے میں مصروف تھے، اس میں بے شمار خیمے لگے ہوئے تھے اور محل کے دروازے پر دربان بالکل اسی طرح سے بیٹھے تھے جس طرح بادشاہ کے محل کے باہر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس محل نما عمارت کے مقفل دیوان خانے میں سونے چاندی کا جڑا ہوا تخت رکھا ہوا تھا جس پر ایک انتہائی خوبصورت نوجوان پورے وقار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور خدام اس کے گرد ہاتھ باندھے اس کے اشارے کے منتظر تھے۔

(۱) شعب الایمان بیہقی ۳/۳۷۸ حدیث: ۱۳۲۹..... التوابعین ۶/۱: ۷۶..... تفسیر الآلوسی: ۱۹/۳۷۷..... تفسیر قرطبی: ۱۷/۳۹۱..... تفسیر نسفی: ۳/۳۵۹..... تفسیر نیشاپوری: ۷/۶۲..... تفسیر البحر المدید: ۶/۱۳۷..... اضاء البیان فی تفسیر القرآن بالقرآن: ۸/۶..... اعراب القرآن و بیانہ: ۹/۳۱۰..... التفسیر المنیر: ۲۷/۲۰..... الجداول فی اعراب القرآن: ۲۶/۳۳۰۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس محل نما خوبصورت عمارت میں داخل ہونا چاہا تو دربانوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور اندر داخل ہونے سے منع کر دیا۔ میں نے سوچا کہ اس وقت یہ نوجوان دنیا کا بادشاہ بنا بیٹھا ہے؛ لیکن اسے بھی موت تو آنی ہے، جب موت آئے گی تو اس کی بناوٹی بادشاہی کا خاتمہ ہو جائے گا، جو کچھ اس کے پاس کل تک تھا وہ اگلے دن تک نہیں رہے گا؛ لہذا مجھے ڈرنا نہیں چاہیے اور اس کے پاس جا کر حق بات کی نصیحت کرنی چاہیے، شاید اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

چنانچہ میں موقع کی تلاش میں رہا جو نہی دربان ذرا مشغول ہوئے، میں آنکھ پچا کر اندر داخل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نوجوان نے کسی عورت کو آواز دی، اتنے میں ایک حسین اندام کنیز حاضر ہو گئی، اسے دیکھ کر مجھے ایسا لگا جیسے دن چڑھ آیا ہو۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سی کنیزیں تھیں جن کے ہاتھوں میں خوشبودار مشروب سے بھرے ہوئے برتن تھے۔ اس مشروب کے ساتھ اس نوجوان کے دوستوں کی خدمت کی گئی۔ مشروب سے لطف اندوز ہونے کے بعد اس کے تمام احباب یکے بعد دیگرے اس کو سلام کر کے رخصت ہونے لگے۔

جب وہ دروازے تک پہنچے تو انھوں نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے خوف زدہ ہونے کی بجائے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟۔ انھوں نے بتایا: یہ بادشاہ وقت کا بیٹا ہے۔

میں یہ سن کر تیزی سے اس نوجوان کی طرف بڑھا اور اس کے سامنے جا کر رُک گیا۔ جب شہزادے نے مجھ جیسے فقیر کو بالکل اپنے سامنے کھڑا پایا تو سخت غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: ارے پاگل! تو کون ہے؟ تجھے کس نے اندر داخل ہونے دیا، اور میری اجازت کے بغیر یہاں کیسے آ گیا!۔

میں نے کہا: شہزادہ سلامت! ذرا ٹھہر جائیے اور میری لاعلمی کو اپنے علم، اور میری خطا

کو اپنے کرم سے درگزر کر دیجیے۔ میں دراصل ایک طبیب ہوں۔ میرے اتنا کہنے سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور کہنے لگا: ٹھیک ہے، تو ذرا ہمیں بھی بتاؤ کہ تم کیسے طبیب ہو!

میں نے کہا: میں گناہوں کے درد، اور نافرمانیوں کے زخموں کا علاج کرتا ہوں۔ اس نے کہا: اپنا علاج بیان کرو۔ میں نے کہا: اے شہزادے! تو اپنے گھر میں آرام سے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا لہو و لعب میں مصروف ہے جب کہ تیرے کارندے باہر لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔

کیا تجھے اللہ سے خوف نہیں آتا، اس کے دردناک عذاب کا سوچ کر تیرا دل نہیں دہلتا۔ تجھے اُس دن کا کوئی لحاظ نہیں جس دن تمام بادشاہوں اور حکمرانوں کو ان کی بادشاہیوں اور حکمرانیوں سے معزول کر دیا جائے گا اور تمام سرکش ظالموں کے ہاتھ باندھ دیے جائیں گے۔ یاد کر اس اندھیری رات کو جو یومِ قیامت کے بعد آنے والی ہے، اور جہنم کی وہ آگ جو غصے کی وجہ سے پھٹنے والی ہے، اور غیظ و غضب سے چنگھاڑ رہی ہے۔ اس کے خوف سے ہر کوئی حواس باختہ ہو جاتا ہے۔

لہذا ایک عقل مند آدمی کو دنیا کی فانی نعمتوں، چھن جانے والی حکومتوں اور حسیناؤں کے ان خوبصورت تھرکتے ہوئے جسموں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے جنہیں مرنے کے بعد صرف تین دن میں خون پیپ اور بدبودار لوٹھڑوں میں تبدیل ہو جانا ہے۔ بلکہ دانا شخص تو وہ ہے جو جنت کی سدا بہار نعمتوں اور حسن و جمال میں ڈوبی ہوئی وہاں کی عورتوں (حوروں) کا طالب ہوتا ہے، جن کا خمیر کستوری، عنبر، اور کافور سے اٹھایا گیا ہے، اور جو ایسی حسین و جمیل ہیں کہ آج تک کسی آنکھ نے ویسا حسن نہ دیکھا ہوگا اور نہ سنا ہوگا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں کے متعلق فرمایا ہے :

فِيهِنَّ قَصَصَاتُ الطَّرِفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ، فَبَآئِ آلَاءِ

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، كَانَهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ (سورہ الرحمن: ۵۸ تا ۶۰)

اور ان میں بچی نگاہ رکھنے والی (حوریں) ہوں گی جنہیں پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ گویا وہ (حوریں) یاقوت اور مرجان ہیں۔

لہذا خردمند وہی ہے جو جنت کی کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں کی تمنا رکھے اور عذاب جہنم سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے۔

میری یہ باتیں سن کر شہزادے نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگا: اے طبیب! تو نے تو اٹلی چھری سے مجھے ذبح کر دیا۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا ہمارا رب اپنے نافرمان بھگوڑے بندوں کو قبول کر لیتا ہے اور کیا وہ مجھ جیسے گنہ گار اور پاپی شخص کی توبہ قبول فرمائے گا۔ میں نے کہا: کیوں نہیں! وہ بڑا غفور رحیم اور کریم ہے۔

میرا یہ کہنا تھا کہ اس نے اپنی قیمتی عبا چاک کر ڈالی اور محل کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ چند سالوں بعد جب میری قسمت نے یابوری کی اور میں حج کے لیے مکہ معظمہ گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک نوجوان دیوانہ وار طواف کعبہ میں مصروف ہے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میری طرف لپکا، نیاز مندانہ سلام پیش کیا اور کہنے لگا: کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟۔

میں نے کہا: نہیں۔ تو وہ کہنے لگا: ارے، میں وہی بادشاہ وقت کا بیٹا ہوں جس کا دل آپ کی باتیں سن کر پسچ گیا تھا اور اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو گئی تھی!۔

خليفة وقت کو نصیحت کرتے ہوئے

ابن مہاجر بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ منصور بن مہدی (م ۲۳۶ھ) حج کے ارادے سے مکہ معظمہ حاضر ہوا تو اس نے اپنا معمول بنایا کہ دارالندوہ سے رات کے آخری حصے میں نکلتا، طواف کرتا، اور نوافل پڑھتا۔ لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہونے دیتا کہ خلیفہ وقت

طواف کر رہا ہے، یا نماز میں مشغول ہے۔ طلوع فجر کے بعد وہ دارالندوہ میں واپس آتا۔ مؤذن آتے اسے سلام کرتے اور نماز کی اطلاع دیتے۔ نماز ہوتی اور پھر وہ لوگوں کی امامت کرتا۔

ایک رات طوافِ خانہ کعبہ کے دوران ملتزم کے پاس گزر ہوا تو اس نے کسی نوجوان شخص کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا :

اے اللہ! میں تیرے حضور یہ شکایت لے کر آیا ہوں کہ زمین پر ظلم و فساد کا دور دورہ ہے، اور حقدار کے حق کے درمیان طمع اور ظلم حائل ہو گیا ہے۔

منصور تیزی سے اس طرف گیا، اور کان لگا کر اس کی بات سنی، پھر واپس آ گیا اور مسجد کے ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ ایک خادم کو بلا کر کہا کہ اس دعا مانگنے والے پر نگاہ رکھنا، جب دعا ختم کر لے اسے میرے پاس بلا کر لاؤ۔ خادم نے امیر المومنین کا حکم پہنچا دیا۔ اس نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور قاصد کے ساتھ منصور کے پاس پہنچا اور اسے سلام کیا۔

منصور نے اس سے پوچھا کہ اے جوان! تم یہ کیا کہہ رہے تھے کہ زمین پر فساد پھیل گیا ہے اور مستحقین کے حقوق، طمع کے ذریعہ پامال ہو رہے ہیں۔ اس نے مودبانہ عرض کی: اگر امیر المومنین جاں بخشی کا وعدہ فرمائیں تو میں حقیقت حال بیان کروں۔

منصور نے کہا: ہم وعدہ کرتے ہیں، تم صحیح بات پیش کرو، جب سے ہم نے تمہارے الفاظ سنے ہیں دل مضطرب اور طبیعت پریشان ہے، کسی پہلو چین نہیں آتا۔ جوان نے کہا: جس شخص کو طمع و لالچ کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے اور جس نے حق داروں کو ان کے حق سے محروم کر دیا ہے وہ آپ ہی ہیں۔

منصور نے کہا: کم بخت! میں کیوں طمع کرنے لگوں، جب کہ سفید و سیاہ کا مالک میں ہوں اور ہر اچھی بری چیز میرے قبضے میں ہے۔

اس نے کہا کہ جتنی طمع آپ کے اندر پیدا ہوگئی ہے کسی میں بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کا حکمران مقرر کیا ہے، اور ان کے مال آپ کے قبضے میں دیے ہیں اور آپ کا حال یہ ہے کہ آپ ان سے غافل و بے پروا ہیں اور اپنے مال کی نمائش و افزائش میں مشغول ہیں!۔

آپ نے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان پتھری دیواریں، اور لوہے کے دروازے حائل کر دیے ہیں، اور ان دروازوں پر مسلح دربانوں کا ہجوم ہے، اور اندر آپ قید ہیں۔ لوگوں سے مال وصول پر آپ نے عمال متعین کر رکھے ہیں، وزرا اور مددگاروں کی ایک بڑی فوج آپ کے ارد گرد موجود ہے؛ حالاں کہ یہ ایسے نہیں کہ اگر آپ کوئی بات بھول جائیں تو آپ کو یاد دلادیں، اور آپ کو یاد ہو تو عمل پر آپ کی مدد کریں۔

آپ نے خزانوں کے منہ کھول کر، سواریاں مہیا کر کے اور جسموں پر ہتھیار سجا کر ظلم پر انھیں جبری کر دیا ہے، باہر لوگ دندناتے پھرتے ہیں، ان کے ظلم و ستم کی سنوائی ہے مگر مظلوموں کی کوئی دادرسی نہیں؛ کیوں کہ آپ نے لوگوں کی آمد و رفت پر پابندی لگا رکھی ہے، چند مخصوص اور متعین لوگوں کے علاوہ کوئی شخص آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔

آپ نے اپنے دربانوں سے یہ نہیں کہا کہ اگر کوئی مظلوم، پریشان حال، بھوکا ننگا، معذور و کمزور اور مسکین و عاجز قصر خلافت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو اسے اندر آنے دیا جائے۔ آپ کے حاشیہ نشین، مصاحب اور وزرا و اعوان نے جب یہ دیکھا کہ خود خلیفہ کسی حق کے بغیر بیت المال کی اس رقم کو اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لیے صرف کر رہا ہے جو درحقیقت مسلمانوں کے لیے ہے تو انھوں نے بھی خیانت شروع کر دی۔

انھوں نے سوچا کہ جب خلیفہ اللہ کی خیانت کر سکتا ہے تو ہم خلیفہ کی خیانت کیوں نہیں کر سکتے؟۔ اس لیے انھوں نے باہمی اتفاق سے یہ بات طے کر لی کہ عوام کی کوئی بات، اور ملک و ملت کا کوئی مسئلہ آپ تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ صرف وہی باتیں آپ کے علم میں آئیں جنہیں وہ ضروری سمجھیں۔

اسی طرح اگر کوئی عامل آپ کی طرف سے کہیں جاتا ہے اور وہ ان کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اسے رہنے نہیں دیتے، اس کی طرح طرح سے تذلیل کرتے ہیں، اور آپ کی نظروں میں اس کی قدر و منزلت گرا دیتے ہیں۔

آپ کے مقررین کا حال یہ ہے کہ لوگ ان سے ڈرتے ہیں، اور انھیں بڑا سمجھتے ہیں، خود آپ کے عمال اور کارکن ان کی عظمت کے معترف ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے اس عظمت کا اعتراف کرتے ہیں، اور جب وہ ان مقررین کی قربت حاصل کر لیتے ہیں تو عوام پر ظلم کرنے میں کوئی خوف یا جھجک ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ یہ لوگ مالداروں اور خوش حال لوگوں سے رشوتیں لیتے ہیں اور اس کے صلے میں انھیں کم حیثیت، غریب لوگوں پر ظلم کرنے کی آزادی دیتے ہیں۔

اتنا کہتے کہتے جو ان جذبے میں آ کر کہنے لگا: خدائے پاک کی یہ سرزمین شرف و فساد، حرص و ہوس اور ظلم و جبر سے لبریز ہو گئی ہے۔ یہ تمام لوگ آپ کے اقتدار میں شریک ہیں، اور آپ ان سے غافل ہیں!۔

جب کوئی مظلوم کسی ظالم کی شکایت لے کر آپ کے پاس آتا ہے تو اسے آپ کے پاس جانے نہیں دیا جاتا۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ کسی ایسے موقع پر جب آپ اپنی خلوت سے باہر آئیں تو آگے بڑھ کر ذرا بلند آواز سے آپ کو اپنی مظلومیت کی داستان سنا دے تو اسے روک دیا جاتا ہے۔

آپ نے مظلوموں کی شکایات سننے کے لیے ایک ناظر مقرر کر رکھا ہے۔ جب کوئی

مظلوم اس کے پاس اپنی شکایت لے کر پہنچتا ہے تو آپ کے حاشیہ بردار اسے اس شکایت کو آپ تک پہنچانے سے روک دیتے ہیں۔ ناظر بیچارہ ان کے احکامات پر عمل کرنے پر مجبور ہے خواہ اسے آپ کے دربار میں عزت و مرتبہ ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

مظلوم کی شنوائی نہیں ہوتی، اس کی شکایات کا ازالہ نہیں کیا جاتا، بلکہ اسے دھکے دے کر نکال دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی باہمت مظلوم آپ کی سواری نکلنے کے موقع پر باواز بلند اپنی شکایت سنانا چاہتا ہے تو اسے ایسا زد و کوب کیا جاتا ہے کہ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ہل جاتا ہے۔

آپ اس دوران خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، نہ انھیں منع کرتے ہیں، نہ ظالمین کو سزا دیتے ہیں اور نہ ہی مظلوموں کی داد رسی کرتے ہیں۔

اب آپ مجھے بتائیے! کیا یہی اسلام ہے؟ کیا یہی تعلیماتِ دین ہیں؟ کیا اس دور میں اسلام نام کی کوئی چیز باقی رہ گئی ہے؟ کیا ہمیں مسلمان کہلانے کا حق ہے؟۔

پہلے بنو امیہ کی حکومت تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی کوئی مظلوم ان کے دربار میں پہنچا، اس کی فوری شنوائی ہوئی، اور حق و انصاف کے ساتھ اس کی شکایت دور کی گئی۔

بارہا ایسا ہوتا کہ ملک کے آخری کناروں سے لوگ آتے اور قصر سلطانی کی بلند و بالا دیوار اور پر شکوہ دروازوں سے مرعوب ہوئے بغیر اہل اسلام کو آواز دیتے تو لوگ ان کی طرف لپکتے اور ان سے پوچھتے کہ کیا بات ہے؟ تمہیں کیا شکایت ہے؟، پھر وہ اپنے ڈھائے جانے والے ظلم کی کہانی سناتے اور انصاف پاتے تھے۔

امیر المومنین میں نے ایک مرتبہ چین کا سفر کیا، ان دنوں اس ملک پر جو شخص حکومت کر رہا تھا، وہ نہایت خدا ترس اور نیک انسان تھا۔ جب میں چین کی حدود میں داخل ہوا اور اس بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو یہ قصہ سب کی زبانوں پر تھا کہ ان کے بادشاہ کی سماعت میں خلل پیدا ہو گیا ہے اور اب وہ کوئی بات سن نہیں پاتا۔

قوت سماعت سے محرومی کے باعث بادشاہ حد درجہ ملول رہتا اور بعض اوقات رونے لگتا۔ جب وزرا رونے کی وجہ دریافت کرتے تو وہ کہتا کہ میں اس مصیبت کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں جو مجھ پر نازل ہوئی بلکہ اس مظلوم کا سوچ کر رو رہا ہوں جو انصاف کے لیے میرے دروازے پر آئے گا اور چیخ چیخ کر اپنی فریاد پیش کرے گا؛ لیکن میں اس مظلوم کی آواز نہیں سن سکوں گا!۔

پھر اس نے یہ کہا: اگرچہ میری سماعت باقی نہیں رہی لیکن بینائی تو باقی ہے؛ لہذا تم لوگ پورے ملک میں اعلان کرادو کہ سرخ رنگ کا لباس صرف مظلوم پہنے، مظلوم کے علاوہ کوئی نہ پہنے؛ چنانچہ وہ صبح و شام گشت لگایا کرتا تھا تا کہ سرخ لباس پہنے ہوئے کوئی مظلوم اسے نظر آجائے اور وہ اس کے ساتھ انصاف کر سکے۔

جوان نے کہا: امیر المؤمنین! ذرا غور فرمائیں۔ چین کا شہنشاہ اپنے کفر و شرک کے باوجود اپنی رعایا کے ساتھ کس رحم و کرم اور عدل و انصاف کا معاملہ کر رہا ہے جب کہ آپ اللہ و رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور پھر آپ کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد سے ہونے کا شرف بھی حاصل ہے اس کے باوجود آپ مسلمانوں پر رحم نہیں کرتے اور اپنے نفس کو ملک پر ترجیح دیتے ہیں!۔

آپ مال سمیٹنے میں منہمک ہیں حالاں کہ جن وجوہات کی بنا پر آپ مال جمع کر رہے ہیں وہ سب فانی ہیں۔ مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ میں اولاد کے لیے مال جمع کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بچے کے سلسلے میں عبرت کا مشاہدہ کرا دیا ہے۔

آپ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ جب بھی کوئی بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے خالی ہاتھ آتا ہے، زمین پر اس کے لیے کوئی مال نہیں ہوتا، اور کوئی مال ایسا نہیں ہوتا جس پر کسی کا قبضہ نہ ہو؛ مگر اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کے شامل حال ہوتی ہے اور وہ مال سے محروم نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ اس کے مقدر میں ہوتا ہے حاصل کر لیتا ہے۔ یہ مال اسے آپ نہیں

دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

اگر آپ کہیں کہ میں یہ مال اپنے اقتدار کے استحکام اور سلطنت کی پائنداری کے لیے جمع کر رہا ہوں تو یہ مقصد بھی اہم نہیں ہے۔ ذرا فکر کو آنچ دے کر سوچیں کہ آپ کے پیش روؤں نے سونے چاندی کے انبار لگا دیے، اور بے حد و حساب مال جمع کیا؛ لیکن کیا ان کا اقتدار مستحکم ہوا؟ جب موت آئی تو جاہ و حشم، عزت و رتبہ اور مال و دولت کچھ کام نہ آیا!۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کے بھائیوں کے پاس مال دینے کا ارادہ کیا تو خوب دیا اور یہ امر کاوٹ نہ بنا کہ اس سے پہلے آپ کے اور آپ کے بھائیوں کے پاس مال کم تھا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ میں موجودہ زندگی سے بہتر زندگی حاصل کرنے کے لیے مال جمع کرتا ہوں تو یہ بات یاد رکھیں کہ اس سے بہتر زندگی اعمالِ صالحہ ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے!۔

امیر المومنین! مجھے بتلائیں کیا آپ اپنے کسی محکوم کو قتل سے بڑھ کر کوئی سزا دے سکتے ہیں؟ منصور نے جواب دیا: نہیں۔

اس نے کہا کہ پھر اس ملک کو لے کر کیا کریں گے جس کی حکومت آپ کو تفویض کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے نافرمانوں کو قتل کی سزا نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذابِ الیم میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ذرا اُس دن کا تصور کیجیے جب بادشاہِ حقیقی یہ سلطنت چھین لے گا اور آپ کو حساب کے لیے بارگاہِ خداوندی میں پیش ہونا ہوگا۔ دنیاوی اقتدار و سلطنت کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ کام نہ آئے گی۔

منصورؒ جو ان کی یہ باتیں سن کر زار و قطار رونے لگا اور اتنا رویا کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور کہنے لگا: اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ اے کاش! میں کچھ نہ ہوتا!۔

پھر اس نے نصیحت کرنے والے جوان سے دریافت کیا کہ اب مجھے بتلاؤ میں اپنی

سلطنت میں کیا تدبیر کروں اور ان خیانت پیشہ لوگوں سے کس طرح نمٹوں جو میرے ارد گرد موجود ہیں، مجھے تو سب خائن ہی نظر آتے ہیں، ایسے لوگ کہاں سے لاؤں جو دیانت داری کے ساتھ میری اعانت کر سکیں؟

اس نے جواب دیا: آپ صالحین اُمت کو اپنے ساتھ رکھیں۔

منصور نے پوچھا: وہ کون لوگ ہیں؟

اس نے جواب دیا: یہ علما ہیں۔

منصور کہنے لگا: علما مجھ سے راہ فرار اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اس نے کہا: علما آپ سے اس لیے دور رہتے ہیں کہ کہیں آپ ان کے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار نہ کریں جو عمال اور خدام کے ساتھ ہے۔

سب سے پہلے تو آپ کو اپنے دروازے ہر خاص و عام کے لیے وا کرنے چاہئیں، اور مسلح دربانوں کا ہجوم کم کرنا چاہیے۔

ظالم سے مظلوم کا انتقام لینا، ظالم کو ظلم سے روکنا، حلال ذرائع سے مال حاصل کرنا اور عدل کے ساتھ تقسیم کرنا آپ کا شیوہ ہونا چاہیے۔

اگر آپ نے ان تدابیر پر عمل کیا تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ جو لوگ آج گریزاں ہیں وہ کل آپ کے پاس آجائیں گے اور رعایا کی بہتری کے لیے آپ کی مدد کریں گے۔

منصور نے دعا کی: اے پروردگار عالم! مجھے ان تدابیر پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ حرم شریف کے موزنون نے آکر نماز کی اطلاع دی۔ منصور نماز کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

نماز سے فراغت کے بعد منصور نے شاہی محافظ کو حکم دیا کہ اس جوان کو کہیں سے بلا کر لائے جو ابھی مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اور اگر تو نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی تو میں آج تیری گردن قلم کر دوں گا۔

بے چارہ محافظ اُفتاں ولرز ایں اس نامعلوم شخص کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ طویل اور صبر آزما تلاش کے بعد محافظ نے دیکھا کہ وہ شخص ایک گھاٹی میں نماز ادا کر رہا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو محافظ نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں؟۔

جواب دیا: ہاں پہچانتا ہوں۔ محافظ نے کہا: اگر آپ کو اللہ کی معرفت ہے اور اس سے ڈرتے ہیں تو برائے کرم میرے ساتھ چلئے امیر المؤمنین نے آپ کو طلب کیا ہے، اور انھوں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں آپ کو لے کر نہ پہنچا تو وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

اس نے کہا: اب تو میں جاؤں گا نہیں؛ البتہ وہ میرے نہ جانے کی وجہ سے تجھے قتل بھی نہیں کرے گا۔ محافظ نے پوچھا: اس کی وجہ؟ اور پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔

اس نے کہا: میں تجھے ایک پرچہ دیتا ہوں؛ مگر اس سے پہلے مجھے یہ بتا کہ کیا تجھے پڑھنا آتا ہے؟۔ محافظ نے جواب دیا: نہیں۔

چنانچہ اس نے اپنے تھیلے سے ایک پرچہ نکال کر محافظ کو دیا اور کہا کہ اسے جیب میں رکھ لے، اس میں ’دعاے کشادگی‘، لکھی ہوئی ہے۔

محافظ نے پوچھا: دعاے کشادگی کسے کہتے ہیں؟۔

اس نے کہا: دعاے کشادگی صرف شہیدوں کو عطا کی جاتی ہے۔

محافظ نے عرض کیا کہ جب آپ نے مجھ پر اتنا کرم فرمایا ہے تو یہ بھی بتلا دیں کہ اس دعا کی فضیلت اور خصوصیت کیا ہے، اور اس دعا کے الفاظ کیا ہیں؟۔

اس نے جواب دیا کہ جو شخص اسے صبح و شام پڑھے گا، اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اس کے لیے دائمی خوشی لکھ دی جائے گی، اس کی دعائیں قبول ہوں گی، اسے رزق میں کشادگی عطا ہوگی، اس کی اُمیدیں برآئیں گی، دشمنوں پر فتح نصیب ہوگی، اللہ کے نزدیک اس کا شمار صدیقین میں ہوگا اور اسے شہادت کی موت نصیب ہوگی۔ وہ دعا یہ ہے :

اللَّهُمَّ كَمَا لَطُفْتَ فِي عَظَمَتِكَ ذُونَ اللَّطَفَاءِ وَعَلَوْتَ
بِعَظَمَتِكَ عَلَى الْعُظَمَاءِ وَعِلِمْتَ مَا تَحْتَ أَرْضِكَ كَعِلْمِكَ بِمَا
فَوْقَ عَرْشِكَ، وَكَانَتْ وَسَاوِسُ الصُّدُورِ كَالْعَلَانِيَةِ عِنْدَكَ
وَعَلَانِيَةُ الْقَوْلِ كَالسِّرِّ فِي عِلْمِكَ، وَانْقَادَ كُلُّ شَيْءٍ لِعَظَمَتِكَ وَ
خَضَعَ كُلُّ ذِي سُلْطَانٍ لِسُلْطَانِكَ وَصَارَ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ كُلِّهِ
بِيَدِكَ اجْعَلْ لِي مِنْ كُلِّ هَمٍّ أَمْسَيْتُ فِيهِ فَرْجًا وَمَخْرَجًا ۝ اللَّهُمَّ إِنَّ
عَفْوَكَ عَنْ ذُنُوبِي وَتَجَاوُزَكَ عَنْ خَطِيئَتِي وَسَتْرَكَ عَلَيَّ قَبِيحِ
عَمَلِي أَطْمَعُنِي أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَا اسْتَوْجِبُهُ لِمَا قَصَرْتُ فِيهِ أَذْغُوكَ
أَمْنًا وَ أَسْأَلَكَ مُسْتَأْنَسًا وَإِنَّكَ الْمُحْسِنُ إِلَيَّ وَ أَنَا الْمُسِيءُ إِلَيْكَ
نَفْسِي فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَكَ تَتَوَدَّدُ إِلَيَّ بِالنِّعَمِ وَ اتَبَغِضُ إِلَيْكَ
بِالْمَعَاصِي وَلَكِنَّ الثَّقَةَ بِكَ حَمَلْتَنِي عَلَى الْجُرْأَةِ عَلَيْكَ فَعُدْ
بِفَضْلِكَ وَاحْسَانِكَ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ .

یعنی اے اللہ! جیسے تو اپنی بزرگی میں دوسرے لطیفوں سے بڑھ کر لطیف ہوا،
اور اپنی عظمت میں جملہ عظیمیوں پر فائق ہوا، اور زمین کے نیچے کا حال تو نے اسی
طرح جانا جس طرح تو عرش کے اوپر کا حال جانتا ہے، سینوں کے وسوسے
تیرے نزدیک کھلی بات کی طرح ہیں، اور کھلی بات تیرے علم میں چھپی بات کی
طرح ہے (یعنی تیرے لیے خفیہ و علانیہ میں کوئی فرق نہیں ہے) ہر چیز تیری
عظمت کے سامنے سرنگوں ہے، اور ہر ذی اقتدار تیرے اقتدار کے سامنے پست
ہے۔ دنیا و آخرت کے تمام امور تیرے ہاتھ میں ہیں، تو ہر اس غم سے جس میں
میں مبتلا ہوں مجھے نجات عطا فرما۔

اے اللہ! تو نے میرے گناہ معاف کیے، میری غلطیوں سے درگزر کیا اور
میری بد اعمالیوں کی پردہ پوشی کی۔ تیرے اس سلوک نے مجھے یہ طبع دلائی کہ میں

مجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کا میں اپنے قصور کے باعث مستحق نہیں۔ میں تجھ سے بے خوف ہو کر اور مانوس ہو کر سوال کرتا ہوں، تو مجھ پر احسان کرتا ہے اور میں اپنے نفس کے ساتھ برائی کرتا ہوں، تو نعمتوں سے نواز کر مجھے دوست بناتا ہے اور میں گناہ کر کے تجھے ناراض کرتا ہوں؛ لیکن تیری ذات پر میرے اعتماد نے مجھے اس جرأت پر اکسایا ہے، لہذا مجھ پر اپنے فضل و احسان کا اعادہ فرما، بلاشبہ تو ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

محافظ کہتا ہے کہ میں نے وہ پرچہ لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا، اور امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا، جب میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے نظر اٹھائی، میری طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہنے لگے کہ نالائق! تو جادو خوب جانتا ہے۔ میں نے عرض کیا: نہیں یا امیر المومنین! بخدا میں سحر نہیں جانتا۔ ہاں یہ قصہ ضرور ہوا ہے۔

پھر خلیفہ نے مجھ سے وہ تعویذ طلب کر لی اور مجھ سے کہا کہ جا تو بیچ گیا؛ ورنہ میں تجھے آج ضرور قتل کر دیتا۔ پھر اس تعویذ کی نقل تیار کرائی اور مجھے دس ہزار درہم بخشش کیے اور مجھ سے فرمایا کہ تم جانتے ہو وہ جوان کی شکل میں کون شخص تھا؟، میں نے عرض کیا: نہیں۔ کہا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

جیسے دل میں آگ لگی ہو

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ (م ۲۴۵ھ) صحن بیت اللہ شریف میں مصروف طواف تھے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک شخص خانہ کعبہ پر نگاہیں جمائے ٹھنڈی آہ بھرتا ہے اور اس طرح مصروف دعا ہے :

(۱) احیاء علوم الدین ۲/۱۸۷..... المستنظم ۲/۴۸۴..... اعلام الناس بما وقع للبرامکة ۱/۳۵..... المستطرف فی کل فن مستطرف ۱/۴۸۰۔

اے میرے پروردگار! میں تیرا عاجز و مسکین بندہ ہوں اور تیرے در سے بھگایا ٹھکرایا ہوا ہوں۔ یا اللہ! میں تجھ سے ایسی شے کا طالب ہوں جو تیری محبت و قرب کا ذریعہ ہو اور ایسی عبادت کا طلب گار ہوں جو تجھے پسند ہو۔

اے میرے رب! میں تجھ سے تیرے برگزیدہ بندوں اور نبیوں کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنی محبت کا جام پلا دے۔ میرے قلب سے اپنی معرفت کے لیے پردے اٹھا دے؛ تاکہ شوق کے پروں سے پرواز کر کے میں تیرے عرفان کے گلستانوں میں مومنات ہو جاؤں۔

اس مناجات کے بعد وہ ایسا اشک بار ہوا کہ کنکریوں پر اس کے آنسو گرنے کی آواز آنے لگی۔ پھر یک بیک وہ ہنستا مسکراتا ہوا اٹھا اور وہاں سے چلتا بنا۔

حضرت ذوالنون کہتے ہیں کہ میں بھی اس کے پیچھے ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ یہ شخص یا تو کوئی بندہ عارف ہے، یا دیوانہ۔ پھر وہ مسجد حرام سے نکل کر مکہ مکرمہ کے ویرانوں میں جانے لگا۔ اور جب مجھے اپنے پیچھے آتے دیکھا تو کہنے لگا: آخر کیوں تم میرا پیچھا کر رہے ہو؟ چلے جاؤ۔

ذوالنون: آپ کا نام کیا ہے؟۔

اجنبی: عبداللہ۔

ذوالنون: آپ کے والد کا اسم گرامی؟۔

اجنبی: عبداللہ۔

ذوالنون: یہ بات تو مجھے معلوم ہے کہ ہر شخص عبداللہ اور ابن عبداللہ ہے؛ مگر میں آپ کا اصلی نام پوچھ رہا ہوں۔

اجنبی: میرے باپ نے میرا نام سعدون رکھا ہے۔

ذوالنون: کیا وہی سعدون جسے لوگوں نے مجنون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔

سعدون: ہاں وہی۔

ذوالنون: وہ کون لوگ ہیں جن کی حرمت کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ نے دعا کی ہے؟۔

سعدون: وہ اپنے رب کی جانب اس کی محبت کو نصب العین بنا کر چلتے ہیں، اور ان کے دلوں پر ربانیت کا ایسا تسلط ہے کہ ماسوا سے جدا ہو گئے ہیں۔

سعدون: اے ذوالنون! میں نے سنا ہے کہ آپ بھی کچھ کہتے ہیں۔ اسباب معرفت کے بارے میں کچھ بتائیے۔

ذوالنون: آپ ان لوگوں میں ہیں، جن کے علم و معرفت سے ہمیں استفادہ کرنا چاہیے۔

سعدون: سائل کا حق یہ ہے کہ اسے جواب دیا جائے، پھر دو اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے :

عارفین کے دلوں میں آتش شوق بھڑکتی رہے گی یہاں تک کہ جوارِ مولیٰ میں انھیں اقامت نصیب ہو، وہ اپنے مولا کی محبت میں مخلص ہیں، تو یہ محبت کبھی ان سے جدا نہیں ہو سکتی۔^(۱)

تیری رحمتوں کے قربان

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک نوجوان کو غلافِ کعبہ سے چمٹا ہوا دیکھا، جس کے لبوں سے یہ الفاظ نکل رہے تھے :

یا رب، اعف عني عما فعلته في أيام غفلي، فقد فني جسمي،

(۱) روض الریاحین ۶۶ تا ۶۷ بزم اولیاء: ۱۳۳ تا ۱۳۵۔

فہتف به هاتف و هو يقول: إنا لا نؤاخذ العبد بما فعله في أيام غفلته . (۱)

یعنی اے پروردگار! اپنی غفلت کے دنوں میں جو کچھ برائیاں میں نے کیں انھیں معاف فرمادے؛ کیوں کہ میرا جسم اسی غم میں گھلا جا رہا ہے۔ اتنے میں ہاتف غیب سے آواز آئی: ایام غفلت میں سرزد ہوئے گناہوں پر ہم بندوں سے مواخذہ نہیں کرتے۔

..... جسے مولا بلاتا ہے

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے خانہ کعبہ کے طواف کے دوران ایک نوجوان کو دیکھا جو پیہم نماز پڑھتا اور رکوع وسجود کرتا چلا جا رہا تھا، رکنے کا نام ہی نہ لیتا۔ انھوں نے پاس جا کر کہا، تم تو بہت نماز پڑھتے چلے جا رہے ہو، جواب دیا: میں از خود کیسے واپس ہو جاؤں، انتظار ہے کہ اجازت ملے تو جاؤں۔

شیخ ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ اس جوان کے اوپر ایک رقعہ گرا جس میں یہ لکھا ہوا تھا:

یہ خط خداے عزیز وغفار کی جانب سے اس بندہ شاکر و مخلص کے لیے ہے، واپس جا تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف ہیں۔ (۲)

قرب و بعد کا فلسفہ

حضرت ذوالنون مصری نے کسی کمزور بدوی کو۔ جو اہل اللہ میں سے تھا۔ طواف خانہ کعبہ کرتے دیکھ کر فرمایا کہ کیا تو خدا کا محبوب ہے؟۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزه عن الذنوب والقباہ: ۲۳۔

(۲) روض الریاحین ۱۱۳، بحوالہ بزم اولیاء: ۱۹۲۔

اس نے اثبات میں جواب دیا۔
 پھر پوچھا کہ وہ محبوب تجھ سے قریب ہے یا دور؟۔
 اس نے جواب دیا کہ قریب ہے۔
 پھر پوچھا: کیا وہ تجھ سے موافقت کرتا ہے یا نا موافقت؟۔
 اس نے عرض کیا کہ موافقت کرتا ہے۔
 پھر آپ نے فرمایا کہ جب تو خدا کا محبوب بھی ہے اور وہ تیرے قریب و موافق بھی ہے، پھر تو اس قدر کمزور کیوں ہے؟۔
 اس نے جواب دیا کہ دور رہنے والوں کی نسبت وہ لوگ زیادہ حیران و سرگرداں رہتے ہیں جنہیں قرب نصیب ہوتا ہے!۔

ایک کنیز کا علمی مقام

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ دوران طواف اچانک ایک نور ظاہر ہوا جو آسمان تک بلند تھا۔ میں اس منظر کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔

طواف مکمل کرنے کے بعد میں اس نور کے متعلق غور و فکر کرنے لگا۔ یکا یک ایک دردناک اور غمگین آواز سنائی دی۔ میں نے اس سمت رخ کیا تو ایک کنیز خانہ کعبہ کا غلاف تھامے چند اشعار پڑھ رہی تھی جن کا مفہوم کچھ یوں تھا :

اے میرے پاک پروردگار! تو جانتا ہے کہ تو ہی میرا محبوب ہے۔ ایک سال اور گزر گیا، میرا جسم اور آنسو میرے راز پر نوحہ کناں ہیں۔ اے میرے محبوب! میں نے اب تک محبت کو چھپائے رکھا، اب میں عاجز آگئی ہوں۔

اس کی اس درد بھری فریاد نے میرا دل بے قرار کر دیا، میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر بارگاہِ خداوندی میں ملتی ہوئی :

اے میرے پروردگار! تجھے اس محبت کا واسطہ جو تو مجھ سے کرتا ہے، مجھے بخش دے، اور میری مغفرت فرما دے۔

وہ مسلسل اسی جملے کی تکرار کر رہی تھی۔ مجھے یہ بات بہت بڑی معلوم ہوئی کہ کوئی اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اس طرح مناجات کرے۔ چنانچہ اس کے قریب جا کر میں نے اس سے کہا: اے کنیز! تو جو اتنی بڑی بات کہہ رہی ہے کہ ”اس محبت کا واسطہ جو اللہ مجھ سے کرتا ہے“، کیا تجھے یہ کافی نہیں تھا کہ تو اس طرح کہتی: اے اللہ! مجھے تجھ سے جو محبت ہے اس کا واسطہ!۔

یہ سن کر وہ کہنے لگی: اے ذوالنون! مجھ سے دور ہو جا، کیا تو نہیں جانتا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ ان کے محبت کرنے سے پہلے ہی ان سے محبت کرتا ہے؟، کیا تو نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا :

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۝ (سورہ مائدہ: ۵۴)

تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔

دیکھو! اس آیت مبارکہ میں پہلے اللہ کی ان سے محبت کا ذکر ہوا، بعد میں ان کی اللہ سے محبت کا ذکر ہوا۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں: کنیز کا علمی مقام دیکھ کر میں نے پوچھا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں ذوالنون مصری ہوں؟۔

کہا: اے ذوالنون! دل، رموز و اسرار کے میدان میں گھومتے رہتے ہیں۔ میں نے خدائے رحمن کی معرفت کی بدولت تجھے پہچانا۔ اب ذرا پیچھے کی جانب دیکھ۔

میں نے پیچھے دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا۔ جب دوبارہ اس کی طرف نظر کی تو وہ وہاں موجود نہ تھی۔ نہ جانے اسے زمین کھا گئی، یا آسمان نگل گیا۔ میں نے اسے بہت تلاش کرنے کی کوشش کی؛ مگر وہ کہیں نظر نہ آئی۔^(۱)

محبت الہی میں سرمست

مشہورِ زمانہ زاہد و عارف حضرت یحییٰ بن معاذ (م ۲۵۸ھ) طوافِ خانہ کعبہ کے دوران یوں مناجات کر رہے تھے :

إلهی انی مقیم بفنائک مشغول بشنائک، صغیرا أخذتني
إليك وسربلتني بمعرفتك و أمكنتني من لطفك ونقلتني
وقلبتني فی الأعمال سترا وتوبة وزهدا وشوقا ورضا و حبا
تسقينني من حياضك وتهملني فی رياضك ملازما لأمرک
ومشغوفا بقولک، ولما طر شاربی ولاح طائری فكيف أنصرف
اليوم عنک کبیرا وقد اعتدت هذا منك صغیرا، فلی ما بقیت
حولک دندنة وبالضراعة إلیک همهمة لأنی محب وکل
محب بحبیبه مشغوف و عن غیر حبیبه مصروف. (۲)

یعنی اے پروردگار! میں تیرے صحن میں مقیم اور تیری ثنا میں مشغول ہوں۔
تو نے مجھے کم عمری ہی سے اپنی طرف کھینچ رکھا ہے، اپنی معرفت کا لباس پہنا
رکھا ہے، اپنے لطف سے نواز رکھا ہے، اور تو مجھے احوال، اعمال، ستر، توبہ، زہد،
شوق، رضا اور محبت میں بدلتا رہا ہے۔ تو مجھے اپنے حوضوں سے سیراب کرتا ہے،

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۲۶۱، ۲۶۲۔

(۲) احیاء علوم الدین: ۳/۳۸۹۔

اپنے بانگوں میں گھماتا ہے۔ میں تیرے حکم کا پابند ہوں۔ اب جب کہ میری مونچھیں نکل آئی ہیں، اور کچھ قدرت حاصل ہو گئی ہے تو میں آج بڑا ہو کر تجھ سے کیسے منحرف ہو جاؤں جب کہ بچپن ہی سے تو مجھے اپنا مانوس بنائے ہوئے ہے۔ اور اب میں ان اُمور کا عادی ہو گیا ہوں۔ جب تک زندہ رہوں گا تیرے ہی گرد منڈلاؤں گا اور تیرے ہی سامنے آہ و زاری کروں گا؛ کیوں کہ میں محبت ہوں اور ہر محبت کو اپنے حبیب سے شغف ہوتا ہے اور غیر سے نفرت ہوتی ہے۔

مقربانِ بارگاہ کے راز و نیاز

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں: کسی سال میں حج بیت اللہ الحرام سے مشرف ہوا۔ میں نے نہایت خوشامدانہ انداز میں دعا مانگنی شروع کی۔ اتنے میں ہاتف غیب سے ندا آئی :

اے بایزید! اگر تم ہزار سال بھی اس انداز سے دعا مانگو اور اس طرح ہزار ہا حج بھی کر لو تب بھی ہم اس میں سے ایک ذرا قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ میں نے عرض کی: ایسا کیوں؟

کہا گیا: اس لیے کہ تمہاری توجہ کا مرکز محض تمہارا عمل ہے؛ مگر جس کے لیے عمل کر رہے ہو اس سے یکسر غافل ہو۔

میں نے عرض کیا: مولا! اگر میری عبادتیں اور دعائیں تیری بارگاہ میں مقبول نہیں، تو مجھے تیری عزت کی قسم! پھر میرے اور تیرے درمیان رشتہ وصال منقطع ہو جانا چاہیے۔ کہا گیا: اے بایزید! اگر ایسا کرنا تمہارے اختیار میں ہو تو ٹھیک ہے قطع کر دو؛ مگر شاید تم بھول گئے کہ شرابِ وصل تو ہم نے تمہیں پلائی تھی!۔

میں نے عرض کی: تیری عزت کی قسم! میں اس وقت تک اپنے قدم تیرے حرم سے باہر نہ نکالوں گا جب تک مجھے یہ پتہ نہ چل جائے کہ تو مجھ سے راضی ہو گیا ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا:

قل يا ابا يزيد، ما تريد؟ وعزتي وجلالي لو يعلم العالم ما أعلمه من باطنك لرجموك، فقلت: وعزتك وجلالك لو يعلم العالم ما أعلمه من كرمك ما عبدوك. وإذا بهاتف يقول: يا ابا يزيد، لا نقول ولا تقول، أنت عندنا مقبول.

یعنی بایزید کہو تمہیں کیا چاہیے؟، مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! جتنا تمہارے قلب و باطن (کے رازوں) پر میں آگاہ ہوں اگر اتنا دنیا جان جائے تو وہ تمہیں سنگسار کر دے۔ اس پر میں نے عرض کیا: مولا مجھے بھی تیری عزت و جلال کی قسم! تیرے کرم و نوال پر جیسی مجھے اطلاع نصیب ہوئی ہے اگر اس بھری دنیا میں اتنا کوئی اور جان لیتا، تو تیری عبادت ہی سے بے نیاز ہو جاتا۔ پھر ہاتھ غیب سے ایک آواز اُبھری: یعنی اب نہ ہم کچھ کہیں، نہ تم کچھ کہو (بس بات یہیں پر ختم کہ) تم یکے از مقبولانِ بارگاہ ہو۔ (۱)

اور یہی بایزید بسطامی عاشقوں کے زہد کی جزا کے طور پر فرماتے ہیں کہ میں تین بار خدا کے گھر جج کے لیے گیا ہوں۔ پہلی بار گیا تو بس خانہ کعبہ دیکھا اور کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے جی میں کہا کہ ابھی میں بہت پیچھے ہوں۔ پھر اور زیادہ ریاضت و مجاہدہ کیا، لاکھ جتن کے بعد دوبارہ جانا نصیب ہوا تو میں نے خانہ کعبہ بھی دیکھا اور رب کعبہ بھی دیکھا۔ پھر میں نے کہا کہ ابھی بھی کچھ شرکت ہے، دل خالی نہیں ہوا، تیسری بار پھر جج کے لیے گیا تو خدا کی قسم جب حرم مکہ کے صحن میں پہنچا تو کعبہ نہیں تھا بس رب کعبہ نظر آیا۔

(۱) الزہر الفالح فی ذکر من تنزه عن الذنوب والقبايح: ۹/۱۔

کسی نے آپ سے کہا کہ آپ ولایت و قرب کی اس منزل پر فائز ہیں تو آپ خدا کا دیدار کیوں نہیں طلب کرتے! آپ نے فرمایا: میں وہ شے کیوں مانگوں جو مانگنے والوں کو نہیں ملتی اور نہ مانگنے والوں کو بن مانگے مل جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جا کر دیدار کا مطالبہ کیا مگر نہیں ملا، اور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحن کعبہ میں لیٹے ہیں انھیں بلا کر دیدار عطا کر دیا۔

مانگنے والے سے فرمایا: لَنْ تَرَانِي ۝ یعنی دکھا تو سکتا ہوں مگر تجھ میں دیکھنے کی قوت و سکت نہیں۔

اور جو نہیں مانگتے انھیں بلا کر بے حجاب اپنے دیدار سے مشرف کیا اور فرمایا: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغَىٰ ۝ (نگاہِ مصطفیٰ نہ در ماندہ ہوئی اور نہ حد ادب سے بڑھی)۔

ہر حاجی، مہمانِ خدا

حضرت علی بن موقوف علیہ الرحمہ (م ۲۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ ایک سال میں حج بیت اللہ شریف کے لیے گیا۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا، سنگِ اسود چومے، مقامِ ابراہیم کے سامنے دو رکعت نفل ادا کی اور پھر غلافِ کعبہ پکڑ کر زار و قطار رونے لگا۔

میں نے دعا کی کہ اے پروردگار! نہ معلوم کتنی بار تیرے گھر آنے جانے کی سعادت نصیب ہوئی، مگر مجھے نہیں معلوم کہ میرا آنا تیری بارگاہ میں مقبول بھی ہوا یا نہیں۔

کہتے ہیں کہ ابھی میں یوں ہی مناجات کر ہی رہا تھا کہ میری آنکھیں لگ گئیں، کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: اے علی بن موقوف! ہم نے تیری بات سن لی ہے؛ مگر یہ بتا کہ کیا کبھی تو اپنے گھر کسی ایسے شخص کو بھی دعوت دے کر بلاتا ہے جو تیرا محبوب نہ ہو۔ (یعنی اگر تو میرا محبوب نہ ہوتا تو میں کبھی تجھے اپنے گھر آنے کی توفیق نہ دیتا!)۔

تاریخ بغداد میں یوں ہے کہ جب حضرت علی بن موفیٰ نے اپنا ساٹھواں حج مکمل کیا تو بیٹھ کر سوچنے لگے کہ نہ معلوم میری یہ عبادتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوئیں بھی یا نہیں! اتنے میں میری آنکھوں میں نیند اتر آئی اور گویا کوئی مجھ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے: اے علی! اپنے گھر کسی محبوب ہی کو بلایا جاتا ہے۔ پھر جب میں بیدار ہوا تو میری وہ الجھن اور تشویش جاتی رہی تھی۔ (۱)

بندگی کیا ہے کچھ نہ ہونا ہے

حضرت ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۸۵ھ) کو سفر کے دوران جنگل ویرانے میں سخت تکالیف کا سامنا درپیش ہوا؛ مگر انھوں نے خندہ پیشانی سے ان تکلیفوں پر صبر کیا۔ جب مکہ معظمہ پہنچے تو ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں نے یہ بڑا کام کیا، اس خود بینی کا خیال آتے ہی انھیں دوران طواف ایک بوڑھی خاتون نے آواز دی۔

ابراہیم! میں بھی تیرے ساتھ اسی جنگل میں تھی؛ مگر میں نے جان بوجھ کر تجھ سے بات نہیں کی تاکہ تیری توجہ نہ ہٹ جائے۔ سو اپنے دل کا یہ وسوسہ تو نکال پھینک۔ (۲)

خانہ کعبہ پر پہلی نظر

حضرت حامد اسود، حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم الخواص جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو کسی کو بھی

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۷۶..... طبقات الحنابلہ: ۸۹/۱..... تاریخ بغداد: ۲۸۱/۵۔

حاشیہ: حضرت علی بن موفیٰ وقت کے عظیم صاحب کرامات بزرگ ہوئے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ آپ نے پانچ سو ساٹھ حج ادا فرمائے، جن میں سے تیس سرکارِ دو عالم روحی فداہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ادا کیے۔ (الوفائی بلوفیات: ۸۴/۷)۔

(۲) روض الریاضین: ۱۳۶۔ بحوالہ بزم اولیاء: ۲۲۳ تا ۲۲۵۔

اطلاع نہ دیتے اور نہ ہی کسی کو اپنے ساتھ سفر پر چلنے کے لیے کہتے۔ جب کبھی سفر کا ارادہ ہوتا تو ایک برتن اپنے ساتھ لے جاتے جو وضو اور پانی پینے کے لیے استعمال فرماتے۔

ایک مرتبہ اسی طرح آپ نے اپنا برتن اٹھایا اور ایک سمت چل دیے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا۔ ہمارا سفر جاری رہا۔ آپ نے دورانِ سفر مجھ سے کوئی بات نہ کی؛ یہاں تک کہ ہم کوفہ پہنچ گئے۔ وہاں ہم نے ایک دن اور ایک رات قیام کیا، پھر آپ 'قادسیہ' کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم قادسیہ پہنچے تو آپ میری طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگے: اے حامد! تم یہاں کیسے آئے؟۔ میں نے عرض کی: حضور! میں تو آپ کے ساتھ ساتھ ہی سفر کرتا آ رہا ہوں، اور اس پورے سفر میں میں آپ کے ساتھ رہا ہوں۔

آپ نے فرمایا: میرا ارادہ توجہ کرنے کا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اب میں مکہ معظمہ کی طرف جاؤں گا۔ تو میں نے عرض کی: حضور! ان شاء اللہ میں بھی آپ کے ساتھ مکہ شریف چلوں گا۔ چنانچہ ہم سوے حرم روانہ ہوئے اور مسلسل دن رات سفر کیا۔

ہمارا سفر اسی طرح جاری و ساری تھا۔ مکہ مکرمہ قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک ہمیں راستے میں ایک نوجوان ملا، وہ بھی ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ ہمارے ساتھ ایک دن اور رات سفر کرتا رہا؛ لیکن راستے میں اس نے ایک بھی نماز نہ پڑھی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم الخواص نے اس سے فرمایا: اے نوجوان! تو کل سے ہمارے ساتھ ہے، لیکن تو نے ایک بھی نماز نہ پڑھی؛ حالاں کہ نماز حج سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے!

اس نوجوان نے جواب دیا: اے شیخ! مجھ پر نماز فرض نہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تو مسلمان نہیں؟۔ اس نے کہا: نہیں، میں نصرانی ہوں، اور میں اس جنگل بیابان میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ میں توکل میں کتنا کامل ہوں اور مجھے میرے پروردگار پر کتنا بھروسہ ہے؛ کیوں کہ میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ تو توکل میں بہت کامل ہے؛ لیکن میں نے نفس کی بات پر یقین نہ کیا اور یہ تہیہ کر لیا کہ اپنے آپ کو آزماؤں گا اور کسی ایسی جگہ جاؤں گا جہاں

میرے رب کے سوا کوئی نہ ہو، پھر وہاں دیکھوں گا کہ میرے اندر کتنا توکل ہے؛ چنانچہ میں اس جنگل بیابان میں آگیا ہوں اور اپنے آپ کو آزار پہاڑوں۔

اُس نوجوان کی یہ بات سن کر حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ وہاں سے اُٹھے اور چلتے ہوئے مجھ سے فرمایا: اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ نوجوان بھی ہمارے ساتھ ہی چلنے لگا۔ حرم شریف سے قریب 'وادی مُر' میں پہنچ کر آپ نے اپنے پرانے کپڑے اتار کر دھوئے، پھر وضو کرنے کے بعد اس نوجوان سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ عرض کی: عبدالمسیح۔ آپ نے فرمایا: اے عبدالمسیح! اب حرم شریف کی حد شروع ہونے والی ہے، اور کفار کا داخلہ حرم میں ممنوع ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم میں فرمایا:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ

هَذَا ۝ (سورہ توبہ: ۲۸/۹)

مشرکین نہ آئیں۔
پائیں۔

لہذا تم یہیں رکو اور ہرگز ہرگز حرم شریف میں داخل نہ ہونا۔ اگر تم داخل ہوئے تو ہم حکام سے تمہاری شکایت کر دیں گے۔

اتنا کہنے کے بعد ہم نے اس نوجوان کو وہیں چھوڑا اور ہم مکہ معظمہ کی نور بار و مشکبار فضاؤں میں داخل ہو گئے۔ پھر ہم میدانِ عرفات کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں حاجیوں کا ہجوم تھا، اچانک ہم نے اسی نوجوان کو میدانِ عرفات میں دیکھا۔ اس نے حاجیوں کی طرح احرام باندھ رکھا تھا، اور بے تابانہ نظروں سے کسی کو تلاش کر رہا تھا؛ جوں ہی اس نے ہمیں دیکھا فوراً ہمارے پاس چلا آیا اور حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ کی پیشانی کو بوسہ دینے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابراہیم الخواص نے ارشاد فرمایا: اے عبدالمسیح! تم

یہاں کیسے آگئے؟ اس نوجوان نے عرض کی: حضور! اب میرا نام عبدالمسیح نہیں بلکہ عبد اللہ ہے؛ یعنی اب میں عیسائی نہیں رہا، دامن اسلام میں داخل ہو چکا ہوں۔

آپ نے فرمایا: اپنا پورا واقعہ بیان کرو کہ تم کس طرح مسلمان ہوئے، تمہاری زندگی میں یہ انقلاب کیسے آیا؟۔

اس نوجوان نے عرض کی: حضور! جب آپ مجھے چھوڑ کر آگئے تھے تو میں وہیں موجود رہا، اور میرے دل میں یہ خواہش چمکنے لگی کہ آخر میں بھی تو دیکھوں کہ وہ مکہ معظمہ کیسی جگہ ہے جس کی طرف مسلمان سفر و ہجر کی صعوبتیں برداشت کر کے ہر سال حج کے لیے آتے ہیں۔ آخر اس میں ایسی کیا عجیب بات ہے۔ اسی خواہش کی بنا پر میں نے بھیس بدلا اور مسلمانوں جیسی حالت بنالی۔ میری خوش قسمتی کہ وہاں ایک قافلہ پہنچا جو حرمین شریفین آ رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور اس قافلے میں شامل ہو گیا۔

جوں جوں ہمارا قافلہ مکہ مکرمہ سے قریب ہوتا جا رہا تھا، میرے دل کی دنیا بدلتی جا رہی تھی۔ عجیب و غریب کیفیت کا عالم تھا، پھر جونہی میری نظر خانہ کعبہ پر پڑی، تو میرے دل سے تمام ادیان باطلہ کی محبت نکل گئی، اور دین اسلام کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔ میں نے فوراً عیسائیت سے توبہ کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اختیار کر لی، اور مسلمان ہو گیا، اور اس وقت میرا دل بہت خوشی محسوس کر رہا ہے۔

قبول اسلام کے بعد میں نے غسل کیا، احرام باندھا اور دعا کی: اے اللہ! آج میری ملاقات حضرت ابراہیم الخواص سے ہو جائے۔ بارگاہ الہی میں میری دعا قبول ہوئی اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمہ بہت خوش ہوئے۔ اسے خوب شفقتوں اور محبتوں سے نوازا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے حامد! دیکھ لو سچائی میں کتنی برکت ہے۔ اس نوجوان کو حق کی تلاش تھی، اور یہ اپنی طلب میں سچا تھا؛ لہذا اسے حق مل گیا۔ یعنی یہ

اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ پھر وہ نوجوان ہمارے ساتھ ہی رہنے لگا اور بہت بلند مرتبہ حاصل کیا؛ بالآخر وہ دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف روانہ ہو گیا۔^(۱)

بے نیاز نوجوان

حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جس نے دو چادریں اپنے جسم پر لی ہوئی تھیں، ایک کا تہبند اور دوسری کندھوں اور بقیہ جسم پر ڈال رکھی تھی۔ وہ خوبصورت نوجوان بھی خانہ کعبہ کے گرد طواف کر رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ طواف کرتا رہا، پھر نماز پڑھنا شروع کر دی، اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہا۔

اس کے نورانی چہرے اور زہد و عبادت کو دیکھ کر میرے دل میں اس کی عظمت بیٹھ گئی اور وہ میری نظروں میں بہت زیادہ معزز ہو گیا۔ میں روزانہ اس نوجوان کو اسی طرح طواف و نماز میں مشغول دیکھتا۔ میرے پاس چار سو درہم تھے، میں انھیں لے کر اس نوجوان کے پاس گیا، اس وقت وہ مقام ابراہیم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے تمام درہم اس کے قریب رکھ دیے اور کہا: اے میرے بھائی! یہ حقیر سا نذرانہ میری طرف سے قبول کر لو اور اس رقم کے ذریعہ اپنی ضروریات پوری کرو۔

یہ سن کر وہ نوجوان کھڑا ہوا اور تمام درہم ادھر ادھر بکھیر کر کہنے لگا: اے ابراہیم! میں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ستر ہزار دینار خرچ کیے، پھر مجھے یہ حالت اور اس جگہ عبادت کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور آپ مجھے اللہ کی عبادت سے دور کرنا چاہتے ہیں، اور وہ بھی اتنی کم رقم کے عوض!۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۳۲۲ تا ۳۲۴۔

حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس نوجوان کی یہ بات سن کر میں شرم سے پانی پانی ہو گیا اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ حقیر سمجھنے لگا، پھر میں نے وہ درہم جمع کرنا شروع کیے۔ میں زمین پر بکھرے ہوئے ان درہموں کو بٹور رہا تھا اور وہ نوجوان کھڑے ہو کر بے نیازی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ آج میری نگاہوں میں اس سے زیادہ معزز کوئی نہ تھا، اور وہ مجھے سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد پھر وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔^(۱)

توکل علی اللہ کی شان

حضرت ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک جنگل میں ایک خوبصورت ترین غلام دیکھا، تو میں نے کہا: اے غلام! تو کہاں جا رہا ہے؟، اس نے جواب دیا: مکہ معظمہ۔

میں نے کہا: بغیر خرچ اور سواری کے؟ اس نے کہا: اے ضعیف الیقین وہ ذات جو سات آسمانوں اور سات زمینوں کی محافظ ہے، اسے یہ طاقت نہیں کہ مجھے بغیر زادِ راہ اور بلا سواری کے مکہ پہنچا دے!

حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ اس کا جواب سن کر میں مبہوت سا رہ گیا، پھر جب میں مکہ پہنچا اور حرم میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ غلام دیوانہ وار طوافِ خانہ کعبہ میں مشغول ہے اور اس کی زبان پر یہ اشعار گردش کر رہے ہیں۔

یا عین سحی أبدا یا نفس موتی کمدا
و لا تحبی أحدًا إلا إله الصمدا

(۱) صفحہ الصفوۃ: ۴۱۴/۴..... عیون الحکایات ابن الجوزی: ۳۸۳/۱-۳۸۴

یعنی اے چشم شوق! ہمیشہ سیر و سیاحت اور مناظر قدرت کے مشاہدے میں لگی رہ۔ اے نفس! غمِ آخرت میں اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کر دے۔ اور خداے بے نیاز کے سوا کسی کو اپنا دوست اور محبوب نہ بنا۔

جب اس غلام نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا: اے شیخ! کیا آپ ابھی تک ضعیف الاعتقادی میں گرفتار ہیں!۔ میں نے کہا نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عین ممکن ہے۔ (۱)

بات ایک غریب الوطن کی

حضرت علی بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں سترہ سال تک جنگلوں اور صحراؤں میں پھرتا رہا، اور مختلف مقامات پر اپنے رب ذوالجلال کی عبادت کرتا رہا۔

ان سترہ سالوں میں مجھے جو سب سے زیادہ عجیب واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ میں نے جنگل میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے دونوں ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے تھے، اور وہ گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا، اس کے علاوہ بھی وہ بہت سی مشکلات سے دوچار تھا۔

میں اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا اور مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ میں نے قریب جا کر اسے سلام کیا، اس نے میرا نام لے کر جواب دیا۔

اس کے منہ سے اپنا نام سن کر مجھے اور بھی حیرت ہوئی، میں نے پوچھا: اللہ کے بندے! تم سے میری یہ پہلی ملاقات ہے، پھر تم نے میرا نام کیسے جان لیا؟۔

وہ نوجوان کہنے لگا: جو ذات آپ کو میرے پاس لائی ہے، اسی نے مجھے آپ کی پہچان بھی کرادی ہے!۔

(۱) ایقاظ الہم شرح متن الحکم: ۱۸۶/۱..... منہاج العابدین: ۲۲۶۔

میں نے کہا: تم نے بالکل بجا کہا، واقعی میرا پروردگار ہر چاہے پر قادر ہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟۔

اس نے کہا: میں شہر بخارا سے آ رہا ہوں اور حرمین شریفین کی طرف جا رہا ہوں۔ یہ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ نہ اس جوان کے ہاتھ ہیں نہ پاؤں، پھر یہ بخارا سے یہاں تک کیسے پہنچا اور اب یہ مکہ معظمہ تک جانا چاہتا ہے جو یہاں سے کافی فاصلے پر ہے، یہ وہاں تک تنہا کیسے پہنچے گا؟، میں انھیں خیالات میں گم بڑی حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس شخص نے میری طرف جلال بھری نگاہ ڈالی اور کہا: اے ابراہیم! کیا تجھے اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ قادر و قدیر پروردگار مجھ جیسے ضعیف و اُپانچ انسان کو یہاں تک کیسے لے آیا!۔

اتنا کہنے کے بعد اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا، اور وہ زار و قطار رونے لگا۔ میں نے اس سے کہا: تم بالکل پریشان نہ ہو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت ہر شخص کے ساتھ ہے، اور وہ کسی کو مایوس نہیں فرماتا۔

پھر میں اسے وہیں چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا۔ میرا بھی اُس سال حج بیت اللہ کا ارادہ تھا۔ جب میں مکہ مکرمہ پہنچا اور طواف کے لیے خانہ کعبہ میں حاضر ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہی اُپانچ نوجوان مجھ سے پہلے خانہ کعبہ پہنچا ہوا ہے اور گھسٹ گھسٹ کر خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول ہے!۔ سبحان اللہ۔

نیتوں کا فرق

حضرت جنید بغدادی - رحمۃ اللہ علیہ - (م ۲۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ ایک دن میں

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۳۸۵، ۳۸۴۔

نے ایک مجوسی شخص کو دیکھا کہ وہ پرندوں کو دانہ کھلا رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تم بیکار محنت کیے جا رہے ہو، اس کا تمہیں کچھ بھی اجر نہیں ملنا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ صرف مومنوں کے اعمالِ خیر قبول فرماتا ہے، اور اس کا انھیں بدلہ دیتا ہے۔

مجوسی نے یہ بات سن کر جواباً کہا: چلیں وہ قبول نہیں کرے گا تو کیا ہوا۔ اتنا تو طے ہے کہ وہ میرے اس عمل کو دیکھ رہا ہے۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ چند سالوں کے بعد قسمت نے یآوری کی اور میں حج بیت اللہ کے لیے احرام پوش نکلا۔ میں خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک بارونق نورانی چہرے پر پڑ گئی، ایسا لگ رہا تھا جیسے نور کی شعاعیں اس کے مکھڑے سے پھوٹ رہی ہوں۔ اس شخص کے چہرے کی بشارت و جاذبیت پر نگاہیں گاڑے ہوئے جب میں اس کے قریب ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ وہی پرندوں کو دانہ ڈالنے والا مجوسی ہے۔

طواف کے پھیرے مکمل کرنے کے بعد میں اس کے پاس گیا۔ قبل اس کے کہ میں کچھ پوچھتا وہ خود ہی کہنے لگا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جان بھی لیا اور دیکھ بھی لیا۔ یہ کہہ کر اس نے آواز بلند کلمہ شہادت پڑھا، اور وہیں اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

حضرت جنید بغدادی کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے غیب سے ایک آواز سنی: اے جنید! تم چوں کہ میرے گھر (خانہ کعبہ) کی تمنا لے کر آئے تھے سو وہ تم نے پالیا۔ مگر یہ شخص میری تلاش میں نکلا تھا اور بالآخر اس نے میرا سراغ پالیا۔^(۱)

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

حج اور خواہشاتِ نفسانی

ایک شخص حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا: کہاں سے آنا ہوا؟۔ عرض کی، میں حج بیت اللہ کے لیے گیا ہوا تھا۔
 آپ نے پوچھا: کیا حج کر لیا؟۔ اس نے جواب دیا: جی ہاں۔
 آپ نے پوچھا: کیا گھر اور وطن چھوڑتے وقت سب گناہوں سے بھی دست بردار ہو گئے تھے؟۔

اس نے نفی میں جواب دیا۔
 آپ نے فرمایا: پھر تم نے وطن سے سفر ہی نہیں کیا۔
 اچھا جب تم گھر سے نکلے اور رات کے وقت کسی جگہ قیام کیا تو کیا طریق حق کی بھی کوئی منزل طے کی؟۔
 جواب پھر نفی میں تھا۔
 آپ نے فرمایا: پھر تم نے کوئی منزل طے نہیں کی۔
 اچھا جب تم نے میقات پر احرام باندھا تو کیا اپنی صفاتِ بشری سے بھی روگرداں ہوئے تھے؟۔

جواب نفی میں پا کر آپ نے پھر فرمایا: تم نے احرام ہی نہیں باندھا۔
 اچھا جب تم عرفات کے میدان میں کھڑے ہوئے، تو کیا کشف و مشاہدہ میں بھی کھڑا ہونا نصیب ہوا؟۔
 جواب نہیں میں تھا۔
 آپ نے فرمایا: تم نے وقوفِ عرفہ ہی نہیں کیا۔

اچھا جب تم مزدلفہ میں گئے اور تمہارا مقصد پورا ہو گیا تو کیا اپنی نفسانی خواہشات کو ترک کر دیا تھا؟۔

جواب ملا نہیں۔

فرمایا: تم نے پھر قیام مزدلفہ بھی نہیں کیا۔

اچھا جب تم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تو باطن کی آنکھ سے تنزیہ (باری تعالیٰ کو ہر عیب سے منزہ سمجھنے) کے مقام میں حق تعالیٰ کے لطائف جمال کو دیکھا؟۔

جواب پھرنفی میں تھا۔

آپ نے فرمایا: تم نے طواف ہی نہیں کیا۔

اچھا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت کیا تم نے صفا و مروہ کا درجہ سمجھا؟۔

جواب نفی میں تھا۔

آپ نے فرمایا: تم نے سعی بھی نہیں کی۔

اچھا جب منیٰ میں آئے تو کیا تمہاری حسرتیں ساقط ہو گئیں؟۔ عرض کیا نہیں۔

آپ نے فرمایا: تم منیٰ بھی نہیں گئے۔

اچھا جب قربان گاہ پر قربانی دی تو کیا خواہشات نفس کو بھی قربان کیا؟۔ عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم نے قربانی بھی نہیں دی۔

اچھا رمی جمار کرتے وقت کیا تم نے اپنے من کے لات و ہبل کو سنگسار کیا؟۔ جواب نفی میں تھا، آپ نے فرمایا: تم نے کنکر بھی نہیں پھینکے۔

پھر تم نے حج کیا کیا!۔ واپس جاؤ اور اس طریق پر حج ادا کرو؛ تاکہ مقام ابراہیم

نصیب ہو۔ (۱)

(۱) کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوبر: ۴۴۹۔

ایک عارفہ کا عارفانہ کلام

حضرت جعفر خلدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ کسی سال میرا تن تنہا حج بیت اللہ کے لیے جانے کا اتفاق ہوا۔ میں کعبہ معظمہ کے بالکل قریب ہی فروکش ہوا۔ جب شام ہوئی اور رات نے اپنے پر پھیلا دیے تو دن بھر کے تھکے ماندے لوگ آرام دہ بستروں پر خواب خرگوش کے مزے لینے لگے۔

محبت الہی سے سرشار دل رکھنے والے عبادت گزاروں نے اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری کرنا شروع کر دی، تو میں بھی طواف کے ارادے سے نکل کھڑا ہوا، دورانِ طواف کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی والہ و شیفہ ہو کر یوں اشعار گنگنا رہی ہے۔

أبی الحب أن يخفی و کم قد کتمته فأصبح عند قد أناخ و طنبا
إذا اشتد شوقی هام قلبی بذکره و إن رمت قربا من حبیبی تقربا
و یمنحنی و صلا فأحیا به له و یسکرني حتی ألد و أطربا

یعنی محبت الہی نے پوشیدہ رہنے سے انکار کر دیا۔ اور میں نے اسے بہت بار چھپایا مگر وہ ظاہر ہو کے رہی۔ پھر اس نے میرے پاس ہی ڈیرا ڈال لیا اور مجھے اپنا مسکن بنا لیا۔

جب میرا شوق شدت اختیار کرتا ہے تو محبوب حقیقی کی یاد سے میرا دل دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اگر میں اپنے محبوب سے قرب حاصل کرنے کا ارادہ کروں، تو وہ میرے قریب ہو جاتا ہے۔ اور وہ سامنے آتا ہے تو میں فنا ہو جاتی ہوں، پھر اس کی وجہ سے اسی کے لیے زندہ ہو جاتی ہوں اور وہ میری مدد کرتا ہے یہاں تک کہ میں خوب لطف محسوس کرتی ہوں اور کیف سرور سے جھومنے لگتی ہوں۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے سعادت مند لڑکی! کیا حرم کعبہ میں تجھے اس طرح کے اشعار پڑھتے ہوئے خدا کا کچھ خوف محسوس نہیں ہوتا؟۔ اب وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی: اے جنید! اللہ اور اس سے محبت کرنے والوں کے درمیان آپ رخنہ نہ بنیں۔ پھر اس نے چند اشعار پڑھے۔

لولا التقى لم ترني هجرت طيب الوسن
إن الهوى شردني كما تری عن وطني
قد همت من حي له فحبہ ہیمنی

یعنی اگر محبوب حقیقی سے ملاقات کا معاملہ نہ ہوتا تو آپ مجھے یہاں نہ دیکھتے۔ کیوں کہ میں میٹھی میٹھی نیندیں قربان کر کے یہاں پہنچی ہوں۔ جب وہ مل گیا تو اس نے مجھے وطن سے بہت دور کر دیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، میں اسے پانے سے ڈرتی ہوں؛ لیکن اس کی محبت مجھے شوق دلاتی ہے۔

پھر کہنے لگی: اے جنید! آپ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں، کیا آپ نے رب کعبہ کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا: تم نے ایسا دعویٰ کیا ہے جس پر دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔

یہ سن کر اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھالیا اور کہنے لگی: تو پاک ہے، تو پاک ہے، تیری شان کتنی بلند ہے، تیری بادشاہی کتنی عزت والی ہے، پھر جیسی مخلوق خود پتھروں کا طواف کر رہی ہے۔ اس کے بعد پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

یطوفون بالبيت العتيق تقرباً إليك
وهم أقسى قلوباً من الصخر

فلو يخلصون السر جادت صفاتهم
وقامت صفات الحق منهم على الذكر

یعنی لوگ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہیں جب کہ اُن کے دل چٹانوں سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔
اگر وہ تنہائی میں مخلص ہوتے تو ان کی صفات عمدہ ہو جاتیں اور ان کی ذات میں بیان کرنے کے لیے صفاتِ حق قائم ہو جاتیں۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اس کا یہ عارفانہ کلام سن کر مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور میں بے خود ہو کر رہ گیا۔ پھر جب ہوش میں آیا تو میں نے اس عارف کو بہت تلاش کیا؛ مگر کہیں نہ ملی۔ (۱)

چہار خصائل درویشی

حضرت سمنون رضی اللہ عنہ (م ۲۹۸ھ) اکابر صوفیہ میں ہوئے ہیں۔ انھیں کسی نے طوافِ بیت اللہ کے دوران نہایت خوش اور ناز و آدا سے چلتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا اے شیخ! آپ کو بارگاہِ رب العالمین میں کھڑے ہونے کی قسم دیتا ہوں مجھے بتائیں کہ آپ کس طرح اللہ کو پا گئے۔ بارگاہِ رب العالمین میں کھڑے ہونے کا ذکر سن کر شیخ سمنون بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو فرمایا:

جانِ پدر! میں نے خود پر پانچ خصلتیں لازم کر لی ہیں:

جو کچھ مجھ میں زندہ تھا (خواہشِ نفسانی) میں نے اسے مار ڈالا اور جو شے مردہ تھی (حیاتِ دلی) اسے زندہ کر لیا۔

جو نظروں سے اوجھل تھا (عالمِ آخرت) میں نے اسے سامنے رکھا اور جو سامنے تھا (عیشِ دنیوی) اسے اوجھل کیا۔

(۱) الروض الفائق فی المواعظ و الرقائق: ۱۹۶..... روض الراحین: ۸۳ تا ۸۴، بحوالہ بزم اولیاء: ۱۵۸..... عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱۰۶، ۱۰۷..... طبقات الشافعیہ: ۱۹۹/۲..... صفحہ الصفوۃ: ۳۲۰۔

جو میرے نزدیک فانی تھا (تقویٰ) اسے باقی رکھا۔ اور جو شے باقی تھی (خواہش نفسانی) اسے فنا کر دیا۔

لوگ جس شے سے وحشت زدہ تھے میں نے اس سے محبت کی اور جس سے لوگ انس کرتے تھے میں نے اس سے فرار اختیار کیا۔

حضرت سمون رضی اللہ عنہ نے اتنا فرمایا اور وہاں سے تشریف لے گئے۔ (۱)

بد نگاہی کی تباہ کاریاں

حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمہ اللہ (م ۳۳۰ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے خانہ کعبہ کے طواف کے دوران ایک کانے شخص کو دیکھا جو اپنے طواف میں صرف ایک ہی دعا کر رہا تھا :

أعوذ بک منک .

یعنی (اے اللہ!) میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

میں نے اس سے کہا: بھلے بندے! یہ کیا دعا ہوئی؟۔ اس نے جواباً کہا: میری عمر کوئی پچاس سال سے متجاوز ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میری نگاہ ایک خوبصورت شخص پر جا کر ٹک گئی اور میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ اتنے میں غیب سے ایک گھونسا برآمد ہوا جس نے مجھے اس زور سے مارا کہ میری ایک آنکھ نکل کر باہر آ گئی۔

میں بیٹھ کر وہیں کراہتا رہ گیا۔ پھر میں نے سنا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اگر تم نے مزید گناہ کیا ہوتا تو ہم بھی اپنی سزا بڑھادیتے۔ (۲)

(۱) روض الریاحین: ۱۳۷، بحوالہ بزم اولیاء: ۲۲۵ تا ۲۲۶۔

(۲) الروض الفائق فی المواعظ والرفاق: ۱۶۵۔

آوارہ نگاہی پر گرفت

حضرت ابو بکر شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۳۳۴ھ) کے بارے میں ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے طواف کے دوران ایک صاحب بصیرت شخص کو دیکھا، جس کی نظر طواف کرتی ہوئی ایک خوبصورت عورت پر جا کر گر گئی۔ نگاہوں کا چار ہونا تھا کہ اتنے میں ایک تیر (غیب سے نمودار ہو کر) اُس کی آنکھ میں چھ گیا۔ میں لپک کر اس کی طرف بڑھا اور جلدی سے میں نے تیر کو اس کی آنکھ سے نکال کر باہر کر دیا، پھر غور سے دیکھا تو اس تیر پر تحریر تھا :

نظرت بعینک الی غیرنا فأعمیناها، ولو نظرت بقلبک الی
غیرنا لکونیناہ .

یعنی تو نے اپنی آنکھوں سے ہمارے علاوہ کسی اور کا نظار کیا لہذا ہم نے انہیں
اندھا کر دیا۔ اور اگر تم اپنے دل سے ہمارے غیر کی طرف نظر کرتے تو ہم اسے
بھی داغ دیتے!۔ (۱)

عارفہ کنیز

حضرت محمد بن حسین سلمیٰ رحمہ اللہ (م ۴۱۲ھ) جو کہ اکابرین اولیا میں ہوئے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک سال میں حج بیت اللہ کے لیے گیا۔ جب طوافِ خانہ کعبہ سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص بازارِ مکہ میں ایک خیف و نا تو اس مگر درخشنہ جبین لونڈی کو اپنے ہاتھوں میں لیے گھوم رہا ہے، اور آواز پر آواز لگائے جا رہا ہے کہ ہے کوئی اس کی چاہت رکھنے والا؟ اگر کسی کو اس سے رغبت ہو تو بس بیس دینار سے اسے خرید لے۔

(۱) الزہر الفلاح فی ذکر من تنزه عن الذنوب والقبا ح: ۷۔

میں خریدنے کے لیے جب آگے بڑھا، تو وہ بوڑھا شخص کہنے لگا: آپ اسے بصد شوق خریدیں؛ مگر مجھے اس کے عیوب سے معاف رکھیے گا، میں اس کی خامیوں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

میں نے کہا: بزرگ میاں! ٹھیک ہے آپ اس کے عیوب کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتے؛ مگر یہ تو بتائیں کہ اس کے اندر وہ عیوب ہیں کیا؟۔

تو وہ کہنے لگا: یہ ہمیشہ کھوئی کھوئی سی رہتی ہے..... ایسا لگتا ہے جیسے ہمہ وقت کوئی بارِ غم اس پر ٹوٹ رہا ہے..... ہنستی بولتی کم ہے اور سسکتی روتی زیادہ ہے..... نہ معلوم کس کے عشق کا تیر اس کے دل کے اندر چبھا ہوا ہے..... میں اسے ہزار خوش کرنے کی کوشش کرتا ہوں؛ مگر اس کا حزن و ملال کم ہونے کو نہیں آتا۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے یہ سارے عیوب مجھے منظور ہیں اور آپ اس سے بری الذمہ؛ چنانچہ میں نے اسے خرید لیا اور گھر لے آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ نیاز مندانہ میرے پاس آئی اور بڑے ہی ادب کے ساتھ عرض گزار ہوئی: آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟۔
میں نے کہا: عراق سے۔

کہنے لگی: پھر بصرہ سے ہوں گے یا کوفہ سے؟۔

میں نے کہا: نہ بصرہ سے نہ کوفہ سے۔

کہنے لگی پھر تو آپ مدینۃ السلام بغداد سے ہوں گے۔

میں نے کہا: یہ سچ ہے۔

کہتی ہے: ہاں! کیا خوب، وہ شہر تو عابدوں اور زاہدوں کا شہر ہے، وہاں تو عاشق لوگ رہتے ہیں، اور بغداد کی بستی اہل اللہ کے حوالے سے بڑی مشہور ہے۔

حضرت محمد بن حسین کہتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ تو کوئی خدا رسیدہ لگتی ہے۔ بہر حال!

میں نے پوچھا: ان عاشقوں میں سے تو کسی کا نام بھی جانتی ہے؟
کہتی ہے: ہاں! کیوں نہیں۔ میں حضرت مالک بن دینار کو جانتی ہوں۔ حضرت حسن بصری سے واقف ہوں۔ حضرت بشر حافی کا نام سن رکھا ہے۔ وہاں معروف کرنی بستے ہیں، وہ ابو حاتم بختانی کا علاقہ ہے، وہاں رابعہ بصری، شعوانہ، میمونہ وغیرہ کے علاوہ حضرت محمد بن حسین کو بھی جانتی ہوں۔

میں نے پوچھا: تم انھیں کہاں سے جانتی ہو؟
کہتی ہے اے جوانِ صالح! بھلا میں انھیں کیوں نہ جانوں پہچانوں، وہ لوگ تو دلوں کے معالج اور مجاہدانِ حق کے رہنما ہیں۔

حضرت محمد بن حسین کہتے ہیں کہ اس کی اس بات نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ اب میں نے پوچھا کہ یہ بتاؤ نے جن کا نام شمار کیا ہے ان میں سے کسی کو پہچانتی بھی ہے؟
یہ سن کر وہ خاموش ہو گئی اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے از خود کہا: مجھی کو لوگ محمد بن حسین بغدادی کہتے ہیں۔
کہتی ہے: اے عبد اللہ! میں نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اے پروردگار! ایک بار محمد بن حسین سے میری ملاقات ضرور کرا دینا۔ اور آج وہ دعا - الحمد للہ - پوری ہو گئی۔ مگر یہ تو بتائیں کہ آپ کی وہ دلسوز آواز کیا ہوئی جس سے اہلِ ارادت کے قلوب میں زندگی پیدا ہوتی تھی اور سننے والوں کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں۔ پھر وہ عرض گزار ہوئی کہ بڑا اچھا ہوتا اگر آپ مجھے وہ نغمہ لاہوتی آج کچھ سنا دیتے۔

حضرت محمد بن حسین کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کریم کا آغاز کرنے کی نیت سے

جب ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھا تو اس پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی اور پھر بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔

میں نے بعجلت پانی لا کر جب اس کے بدن پر ڈالا تو اسے افاقہ ہوا اور ہوش میں آتے ہی کہنے لگی کہ جب اس کے نام میں اتنی حلاوت ہے تو بروزِ محشر جب اس کا دیدار نصیب ہوگا، اس وقت کیا بنے گا!۔

کہنے لگی ابھی میری روح کی تشنگی بجھی نہیں۔ ذرا سا اور پڑھنے کی زحمت فرمائیں گے؟۔ میں نے کہا: بصدر شوق۔ چنانچہ میں نے پڑھا :

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝

اور پڑھا :

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝

یہ سن کر وہ کہتی ہے کہ جس روز وہ اپنے دوستوں کے لیے ظاہر ہوگا مجھے اس کے ملنے کا کس قدر شوق ہوگا؟ ذرا کچھ اور پڑھیے، خدا آپ پر رحم کرے۔ چنانچہ میں نے پھر پڑھنا شروع کیا :

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقٍ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ
لَّا يَصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا
يَشْتَهُونَ وَحُورٌ عِينٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ جَزَاءَ بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ۝ (سورہ واقعہ: ۵۶: ۲۳ تا ۲۷)

ہمیشہ ایک ہی حال میں رہنے والے نوجوان خدمت گاران کے ارد گرد گھومتے ہوں گے۔ کوزے، آفتابے اور چشموں سے بہتی ہوئی (شفاف) شراب (قربت) کے جام لے کر (حاضر خدمت رہیں گے)۔ انہیں نہ تو اُس (کے

(پینے) سے دردِ سر کی شکایت ہوگی اور نہ ہی عقل میں فتور (اور بدِ مستی) آئے گی۔ اور (جنتی خدمت گزار) پھل (اور میوے) لے کر (بھی پھر رہے ہوں گے) جنہیں وہ (مقربین) پسند کریں گے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی (دستیاب ہوگا) جس کی وہ (اہلِ قربت) خواہش کریں گے۔ اور خوبصورت کشادہ آنکھوں والی حوریں بھی (ان کی رفاقت میں ہوں گی)۔ جیسے محفوظ چھپائے ہوئے موتی ہوں۔ (یہ) ان (نیک) اعمال کی جزا ہوگی جو وہ کرتے رہے تھے۔

کہتی ہے: اے ابو عبد اللہ! میرا خیال ہے کہ آپ نے حور کو پیغام تو دیا ہے؛ مگر کیا مہر کے لیے کچھ خرچ بھی کیا ہے؟

میں نے کہا: میں تو مفلس ہوں، بتائیں کیا کروں؟

اس نے کہا: نمازوں کے ساتھ شب بیداری کیجیے۔ ہمیشہ روزہ رکھیے اور فقرا و مساکین سے محبت کیجیے۔ اتنا کہتے کہتے پھر اس پر غشی طاری ہوگئی، میں نے پانی کے چھینٹے دیے تو وہ ہوش میں آئی اور مناجات کرنے لگی۔ رب تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے بعد التجا کرتے کرتے خاموش ہو کر فرشِ زمین پر گر پڑی۔ قبل اس کے کہ میں پانی لا کر اس پر چھینٹے مارتا اس کی روحِ فقسِ غصری سے پرواز کر چکی تھی۔

پھر میں بازارِ مکہ میں گیا کہ اس کے کفن و دفن کا کچھ انتظام کروں۔ جب کپڑے لے کر پہنچا تو دیکھ رہا ہوں کہ غیب سے اس کی تکفین کی جا چکی ہے، اس کے علاوہ اس پر سبز رنگ کے دو جنتی حلے پڑے ہیں اور قریب جا کر نگاہ دوڑائی تو اس کے ایک بازو پر لکھا تھا:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ .

اور دوسرے سمت پر لکھا تھا :

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

پھر اس کی تجھیز و تکفین سے فارغ ہو کر میں اُداس و غمگین اپنے حجرے میں چلا گیا۔
 دو رکعت نماز پڑھ کر سو رہا، اتنے میں وہ پردہ خواہر اُتری، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ جنت میں
 لعل و جواہر کے تاج پہنے، بہشتی لباس زیب تن کیے، پاؤں میں سرخ یا قوت کی جوتیاں
 ڈالے، آفتاب و ماہتاب سے زیادہ روشن و تابندہ رخسار کے ساتھ مُخو خرام ہے۔

میں نے پوچھا: اے کنیز! تجھے یہ عظیم مقام کیسے ملا؟۔

کہنے لگی: فقر و مساکین کی محبت، استغفار کی کثرت، اور مسلمانوں کے راستے سے
 تکلیف دہ چیزیں دور کرنے کے باعث۔ (۱)

بات ایک فرزانی کی

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ (م ۴۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے
 سنا کہ ایک بزرگ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران پھوٹ پھوٹ کر گریہ و زاری کر رہے
 تھے، اور یہ اشعار ان کی زبان پر جاری تھے۔

و أصبحت يوم النحر و العيس ترحل

و كان حد الحادي بنا هو معجل

أسايل عن سلمى فهل من مخبر

بأن له علما بها أين تنزل

لقد افسدت حجي ونسكي وعمرتي

وفي السري شغل عن الحج مشغل

(۱) روض الراحين: ۱۵۳ تا ۱۵۵۔ بحوالہ: بزم اولیاء: ۲۴۶ تا ۲۵۰۔

سأرجع من عامي لحجة قابل

فإن الذي قد كان لا يتقبل

یعنی حج میں قربانی کے روز صبح ہوئی، سفید اونٹ کوچ کر رہے تھے، حدی خواں
حدی پڑھ کر اونٹوں کو چلا رہا تھا اور جلدی کر رہا تھا۔

میں اپنی محبوبہ سلمیٰ سے متعلق پوچھ رہا تھا، کوئی بتائے کہ وہ کہاں اترے گی؟۔
اس محبوبہ نے تو میرا حج، میری قربانی اور میرا عمرہ سب کچھ فاسد کر کے رکھ دیا۔
اس کے فراق نے دل میں وہ کیفیت پیدا کر دی ہے جو حج سے دور کیے دیتی ہے۔
میں آئندہ سال حج کے لیے پھر جاؤں گا کیوں کہ جو حج ہو چکا وہ شرفِ قبولیت
سے بہرہ ور ہونے کے قابل نہیں۔ (۱)

تعظیم اکابر کی ایک جھلک

حضرت ابوالقاسم سعد بن علی بن محمد زنجانی رحمہ اللہ (م ۴۷۱ھ) اپنے وقت کے عظیم
بزرگ گزرے ہیں، دنیا جہان کی آپ نے سیر کی اور مشائخ و اکابر سے شرفِ ملاقات
حاصل کیا، پھر مکہ میں جا کر مقیم ہو گئے اور شیخ حرم کے نام سے مشہور و متعارف ہو گئے۔

آپ کی عظمت و بزرگی کا عالم یہ تھا کہ جب آپ حرم میں داخل ہوتے تو پورا مطاف
ان کی تعظیم میں خالی کر دیا جاتا، آپ کامل یکسوئی کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف فرماتے،
لوگوں کی عقیدت کا حال یہ تھا کہ وہ سنگِ اسود سے زیادہ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے،
چومتے اور اپنے سر آنکھوں پر رکھتے۔ آپ سے بہت سی کرامتیں منسوب ہیں۔ (۲)

(۱) کشف الحجب مترجم علامہ فضل الدین گوہر: ۴۴۹ تا ۴۵۰۔

(۲) صفحہ الصفو ۱: ۲۳۸..... تاریخ الاسلام ذہبی: ۲۹۵/۷.....

نوشتہ تقدیر ہو کے رہتا ہے

علامہ ابن جوزی کے نواسے شیخ ابو مظفر فرماتے ہیں کہ ابن عقیل (م ۵۱۳ھ) نے اپنے بارے میں بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایک مرتبہ میں زیارت حرمین شریفین کے لیے گیا، طوافِ خانہ کعبہ سے فارغ ہو کر جب میں ایک طرف ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زمین پر بیش قیمت موتیوں کا ایک ہار پڑا ہوا ہے جس کے موتی سرخ لڑی میں پروئے ہوئے ہیں، تو میں نے اسے اٹھالیا۔

کچھ دیر کے بعد ایک بوڑھا نابینا شخص ہار تلاش کرتے کرتے اس طرف آ نکلا، وہ ہار لانے والے کے لیے سودینار انعام کا اعلان بھی کر رہا تھا۔

میں نے ہار اسے واپس کر دیا۔ جب اس نے دینار دینا چاہا تو میں نے انکار کر دیا اور شام کی طرف رخت سفر باندھ کر نکل کھڑا ہوا، بیت المقدس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اب میرا ارادہ بغداد واپس جانے کا تھا، مگر زادِ راہ بالکل ختم ہو چکا تھا اور بھوک نے بے تاب کر رکھا تھا۔

چنانچہ میں سردی اور بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر ”حلب“ کی ایک مسجد میں پہنچا تو لوگوں نے مجھے نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا دیا۔ نماز سے فراغت کے بعد انھوں نے مجھے کھانا کھلایا اور چوں کہ رمضان کی آمد آتھی اس لیے فرمائش کی کہ آپ رمضان میں ہمیں نماز پڑھائیں؛ کیوں کہ ہمارے امام صاحب انتقال کر چکے ہیں۔

میں نے حامی بھر لی، پھر انھوں نے کہا کہ ہمارے امام صاحب کی ایک جوان بیٹی بھی ہے۔ اس طرح انھوں نے اس سے میرا نکاح کر دیا۔ ابھی ہمارے نکاح کو کوئی ایک سال ہی گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بیٹا عطا فرمایا؛ مگر میری بیوی اس ولادت سے بیمار پڑ گئی، اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

ایک دن میں اس کے پاس بیٹھا کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک میری نظر

اس کے گلے میں پڑے ہوئے ہار پر جا کر جم گئی؛ کیوں کہ یہ بالکل وہی ہار تھا جو مجھے طوافِ خانہ کعبہ کے دوران ملا تھا۔

چنانچہ میں نے بیوی سے ہار کا سارا قصہ ذکر کیا تو وہ سن کر رونے لگی اور کہنے لگی: بخدا! آپ وہی شخص ہیں۔ آپ کے جانے کے بعد میرا باپ رورور کر یہ دعا کیا کرتا تھا:

اللهم ارزق بنتي مثل الذي رد علي العقد .

یعنی اے اللہ! میری بیٹی کو اس ہار لوٹانے والے شخص جیسا نیک شوہر عطا فرما۔

ذرا سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کی دعا کو کیسے عجب انداز سے قبولیت بخشی!۔ پھر وہ دنیا سے رخصت ہو گئی اور علی ابن عقیل اس کا ہار وراثت کے طور پر لے کر یہ کہتے ہوئے بغداد لوٹ آئے کہ فصل گل سیر نہ دیدم و بہار آ خر شد!۔ (۱)

قیامت کے روز مجھے اندھا اٹھانا

حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ (م ۵۶۱ھ) کے حوالے سے شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ نے ایک بڑا ہی ایمان افروز واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں کچھ لوگ کعبۃ اللہ شریف کے قریب عبادت میں مصروف تھے، اور کچھ طوافِ کعبہ میں مشغول تھے، اچانک انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ دیوارِ کعبہ سے لپٹ کر زار و قطار رورہا ہے اور اس کے لبوں پر یہ دعا جاری ہے:

اے اللہ! اگر میرے اعمال تیری بارگاہ کے لائق نہیں ہیں تو بروز قیامت مجھے

اندھا اٹھانا۔

یہ عجیب و غریب دعائیں کر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا؛ چنانچہ انھوں نے دعا مانگنے والے سے استفسار کیا: اے شیخ! ہم تو قیامت میں عافیت کے طلبگار ہیں اور آپ اندھا اٹھائے جانے کی دعا فرما رہے ہیں، اس میں کیا راز ہے؟۔

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۹/۲۴۹..... تاریخ الاسلام ذہبی: ۸۸/۸۔

اس شخص نے روتے ہوئے جواب دیا: میرا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے اعمال اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ کے لائق نہیں تو میں قیامت میں اس لیے اندھا اٹھایا جانا پسند کرتا ہوں کہ مجھے لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اس عارفانہ جواب کو سن کر لوگوں کی حیرت اور فزوں ہو گئی اور وہ بہت متاثر ہوئے؛ لیکن اپنے مخاطب کو پہچانتے نہ تھے؛ اس لیے پوچھا: اے شخص! یہ تو بتا کہ تو ہے کون؟ تو اس نے جواب دیا: میں سید عبدالقادر جیلانی ہوں۔^(۱)

نہ پوچھ ان خر قہ پوشوں کو.....

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی علیہ رحمۃ الباقی (م ۶۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے دوران میں اپنے رفیق ہمد حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھا، اور ہم خوش بختی سے یہ طواف شیخ عثمان نامی ایک درویش کی معیت میں کر رہے تھے جو حضرت ابو بکر شبلی کی اولاد سے ہونے کا شرف رکھتے تھے۔

ہم اس کوشش میں تھے کہ یہ طواف بطور سعادت اُن کے قدموں کے نشانات پر اپنے قدم رکھتے ہوئے انجام دیں۔ لیکن خدا معلوم اُن کی فراستِ باطنی کتنی روشن تھی کہ انھوں نے فوراً ہمارے ارادوں کو محسوس کر لیا، اور پیچھے مڑ کر ہم سے مخاطب ہوئے: میرے قدموں کی چھاپ پر اس طرح چل کر طواف کرنا شاید تمہارے حق میں نفع رسا نہ ہو۔ اگر تم واقعتاً میرے نقش قدم پر چلنے کے آرزو مند ہو تو بہتر ہوگا کہ ظاہر کو چھوڑ کر میرے نورِ باطن کی اتباع کرو۔

ہم شش و پنج میں پڑ گئے کہ یا خدا! نورِ باطن سے ان کی کیا مراد ہے؟۔ ہماری حیرانگی کو پڑھتے ہوئے انھوں نے جواب دیا: 'میرا معمول یہ ہے کہ میں ہر روز (۱۰۰۰) ہزار مرتبہ ختم قرآن کیا کرتا ہوں'۔

(۱) فیضانِ سنت، بحوالہ گلستانِ سعدی: ۷۳۳۔

یہ سن کر ہماری حیرت و سراسیمگی اور بھی بڑھ گئی کہ واہ کیا خوب دعویٰ ہے؟ پھر ہم اپنی سطح سے سوچنے لگے کہ کیا کسی انسان کے لیے ممکن ہے کہ وہ ایک دن میں (۱۰۰۰) ہزار مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت مکمل کر لے۔

سچ پوچھیں تو ہم نے اس کو مبالغہ پر محمول کیا کہ شاید وہ ہر سورہ کے دو ایک کلمات پڑھ کر قرآن ختم کر دیتے ہوں؛ مگر ابھی ہم اپنے قیاس و گمان کی وادی میں غلطاں و پیچاں ہی تھے کہ شیخ عثمان نے عالم جلال میں اپنا چہرہ ہماری طرف پھیر کر فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے مذاق کر رہا ہوں؟ غور سے سننا میں دوبارہ اپنا جملہ دوہرا رہا ہوں کہ 'میں ہر دن پورا قرآن کریم لفظ بہ لفظ پڑھ کے (۱۰۰۰) ہزار مرتبہ ختم کر لیتا ہوں'۔

اب مارے شرم کے ہم میں کچھ بولنے کا یارا نہ رہا۔ خیر! طواف ختم کرنے کے بعد ایک نجی محفل میں جب میں نے یہ واقعہ مشہور درویش حضرت مولانا علاء الدین کرمانی سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا: بلاشبہ یہ اُن کی کرامت تھی، جو تم لوگوں کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ اگر سمجھ آ جاتی تو وہ کرامت نہ ہوتی؛ کیوں کہ کرامت تو کہتے ہی اُسے ہیں جو عقل و تصور کے رنج میں نہ آ سکے، اور اہل اللہ سے ایسے خوارقِ عادات اُمور کا ظہور عام ہے۔ (۱)

بلند ہمت و پست ہمت کی پہچان

حضرت محمد بن محمد بخاری خواجہ بہاء الدین نقش بند (م ۷۹۱ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مکہ معظمہ کے اندر دو آدمیوں کو دیکھا، ایک نہایت بلند ہمت تھا اور دوسرا نہایت پست ہمت۔ پھر آگے فرمایا کہ پست ہمت وہ تھا جسے میں نے طوافِ خانہ کعبہ کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ پر ہاتھ رکھے اللہ کے سوا کو مانگ رہا تھا۔ اور بلند ہمت وہ جوان تھا جسے منی کے بازار میں کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کرتے دیکھا لیکن اس دوران ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا دل یا دِ الہی سے غافل نہ ہوا۔

حدیث ضعیف اور اُمید قوی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ (م ۱۳۴۰ھ) جب دوسری مرتبہ حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں طبیعت خراب ہو گئی۔ محرم کے آخری دنوں میں طبیعت ٹھیک ہوئی، تو آپ نے حمام میں غسل فرمایا۔ باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھٹا چھا گئی ہے۔ حرم شریف تک پہنچتے پہنچتے بارش شروع ہو گئی۔ معاً آپ کو ایک حدیث یاد آ گئی کہ ”جو بارش میں طواف کرے وہ رحمت الہی میں تیرتا ہے“۔

آپ نے اسی وقت حجر اُسود کو بوسہ دیا، اور طواف خانہ کعبہ شروع کر دیا۔ خدا کا کرنا کہ بخار سردی کی وجہ سے پھر لوٹ آیا۔

مولانا سید اسماعیل صاحب نے آپ کے بخار کی کیفیت کو دیکھ کر فرمایا کہ حضور! ایک ضعیف حدیث کے لیے آپ نے اپنی جان کو تکلیف میں ڈال دیا!۔

اعلیٰ حضرت نے اس موقع پر جو جواب مرحمت فرمایا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :

حدیث اگرچہ ضعیف ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ سے اُمید قوی ہے!۔ (۱)

تحفہ خضر

شہزادہ حضور حجۃ الاسلام، مفسر اعظم ہند حضرت مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی بریلوی علیہ الرحمہ (م ۱۳۸۵ھ) کا محبوب درود شریف یہ تھا جسے ہر موقع پر آپ گنگناتے رہتے اور دوسروں کو بھی درود پاک کی کثرت کرنے کی تلقین فرماتے رہتے :

(۱) ملفوظات حصہ دوم، بحوالہ: سنی علما کی حکایات: ۲۲، ۲۳۔

اللہ ربُّ محمد صلی علیہ وسلم۔

ایک بار آپ سے پوچھا گیا کہ ”دروِ اسمِ اعظم“ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے درود کے یہ مذکورہ صیغے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی بعض تصانیف اور دلائل الخیرات سے اخذ کیے ہیں اور سفر حج سے پہلے ہمیشہ اس کو پڑھتا تھا۔

۱۳۷۲ھ میں جب حج کی سعادت نصیب ہوئی تو خانہ کعبہ کے طواف کے دوران دیگر دعاؤں کے ساتھ میں اکثر اس صیغہ درود کو پڑھتا رہا۔

پھر مقام ابراہیم پر آکر دو گانہ ادا کر لیا تو دل میں خیال اُبھرا کہ کاش اس مبارک مقام پر سیدنا خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو جاتی!، اسی خیال کے ساتھ دیکھا کہ ایک سفید پوش بزرگ میرے قریب سے گزر رہے ہیں، جنھوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور آواز بلند فرمایا :

نحن عبادُ محمدٍ صلی علیہ وسلم۔

اور وہ بزرگ بغیر توقف چلتے رہے، جب پانچ سات گز کے فاصلے پر چلے گئے تو میں نے ان کے فرمائے ہوئے کلمات پر غور کیا اور اسے اپنے وردِ زباں درود مقدس کے ہم وزن پایا، تو میرے دل نے گواہی دی کہ ہونہ ہو یہی حضرت خضر ہیں۔

پھر میں نے بعجلت ادھر ادھر انھیں دیکھا؛ مگر وہ نظر نہیں آئے، اس کے بعد میرا معمول ہو گیا کہ جب بھی اللہ ربُّ محمد صلی علیہ وسلم پڑھتا ہوں تو یہی نحن عبادُ محمد صلی علیہ وسلم بھی ملا لیتا۔^(۱)

(۱) ماہنامہ جہانِ رضا لاہور، شمارہ ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ اپریل، بحوالہ تم پیکروڑوں درود: ۲۶۔

مجاہد کی ضیافت کا اہتمام

حضرت قاسم بن عثمان جوعی فرماتے ہیں کہ میں نے خانہ کعبہ کے طواف کے دوران ایک شخص کو دیکھا جس کی زبان پر صرف ایک ہی دعا گردش کر رہی تھی :

اللہم قضیت حاجة المحتاجين و حاجتي لم تقض .

یعنی مولا! تجھے دیگر حاجت مندوں کی جھولیاں تو بھر دیں مگر میں تاہنوز اپنی

حاجت لیے مارا مارا پھر رہا ہوں۔

میں نے اس سے پوچھا کہ اس کے علاوہ کوئی اور دعا کیوں نہیں مانگتے، اس ایک ہی دعا میں کیا رکھا ہوا ہے؟ تو وہ دبے لہجے میں کہنے لگا: دراصل ہوا یہ کہ ہم سات مجاہد مختلف شہروں سے جمع ہو کر ایک غزوہ میں شریک ہوئے، اور دشمنوں کی زمین پر ہم جنگ لڑنے گئے تو بد قسمتی سے ہم اسیر بنا لیے گئے۔

پھر کیا ہوا کہ گردن زدنی کے لیے ہمیں ایک کھلے میدان میں لایا گیا، میں نے جب آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان کے ساتوں دروازے پھٹ کھلے ہوئے ہیں اور ہر دروازے پر حواریں بہشت میں ایک ایک حور سراپا انتظار بنی ہوئی ہے۔

ہم میں سے ایک دوست کو آگے کر کے اس کی گردن مار دی گئی۔ میں نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ آسمان سے ایک حور اس کی روح کو لینے کے لیے اپنے ہاتھوں میں رومال لیے زمین پر اتر آئی۔ پھر اسی طرح میرے چھ دوستوں کی گردنیں کٹ گئیں اور وہ سب اپنے اپنے ٹھکانے لگ گئے۔ اب صرف میں بچ گیا، اور آخری آسمانی دروازے پر کھڑی ایک حور۔

جب گردن کٹانے کے لیے میں آگے بڑھا، تو مجھے بخش دیا گیا اور بادشاہ کی جناب میں لے جا کر مجھے پیش کر دیا گیا؛ تو میں نے ہاتھ غیب سے یہ آواز سنی: اے کم نصیب!

کس چیز نے تجھے اس عظیم دولت سے محروم کر دیا۔ پھر وہ دروازہ بھی بند ہو گیا، اور حور بھی جاتی رہی۔ پس میرے دوست! اس عظیم موقع کے ہاتھ سے چلے جانے کے بعد میری زندگی حسرت و یاس کا نمونہ بن کر رہ گئی ہے۔

حضرت قاسم جوعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کو ان سب سے افضل سمجھتا ہوں؛ کیوں کہ اس نے وہ چیز دیکھ لی جو انھوں نے نہ دیکھی۔ اب یہ حسرت زدہ چھوڑ دیا گیا تاکہ اس نعمت کے حصول کی خاطر عمل کرتا رہے۔ (۱)

عظمت عثمانی کا ایک رخ

حضرت عثمان بن موہب روایت کرتے ہیں کہ ایک مصری شخص حج کے لیے حاضر ہوا، خانہ کعبہ کے طواف کے دوران اس نے کچھ لوگوں کو صحن کعبہ میں بیٹھا ہوا دیکھ کر پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ کہا گیا کہ یہ اہل قریش ہیں۔ پوچھا کہ ان میں وہ بزرگ کون ہیں؟ کہا گیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر ہیں۔

اب وہ مصری حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف متوجہ ہو کر مخاطب ہوا کہ میرے ذہن و فکر میں کچھ سوالات گردش کر رہے ہیں، نوازش ہوتی اگر آپ ان کا تصفیہ فرمادیتے! کیا یہ بات سچ ہے کہ جنگ اُحد کے دن حضرت عثمان نے راہ فرار اختیار کر لی تھی۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔

پوچھا: کیا یہ بات سچ ہے کہ وہ جنگ بدر میں بھی شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔

پوچھا: کیا یہ بات سچ ہے کہ وہ بیعت رضوان کے وقت بھی موجود نہ تھے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر اس مصری نے تکبیر بلند کی۔

(۱) المستطرف فی کل فن مستطرف: ۱/۱۴۵..... صفحہ الصفوۃ: ۲۲/۲..... عیون الحکایات ابن الجوزی: ۵۷/۲۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: سچائی تو وہی تھی جو میں نے ابھی بیان کی؛ مگر اب ان کی وجہ بھی سنتے جاؤ۔ جنگ اُحد سے جہاں تک آپ کے فرار ہونے کا تعلق ہے سو میں گواہی دے کر کہتا ہوں کہ اللہ جل مجدہ نے انھیں معاف کر دیا ہے۔

جنگ بدر میں حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ بنی کہ آپ کی زوجہؓ صاحبزادی رسول اس وقت سخت بیمار تھیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے خصوصی فرمان جاری کیا کہ اے عثمان! تو اپنی بیوی کی تیمارداری کر، تجھے شہید بدر کے برابر اس کا اجر ہوگا۔

اور بیعت رضوان میں شریک نہ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں (سفیر امن بنا کر) مکہ بھیج دیا تھا اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ پورے وادی مکہ میں اگر عثمان سے زیادہ کوئی عزت و عظمت کا مالک ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے بھیجتے، تو یہ بیعت رضوان دراصل اس وقت لی گئی جب آپ مکہ چلے گئے تھے۔ اب آپ کو اعزاز یہ ملا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ کر ان کی طرف سے بیعت لی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس شخص سے فرمایا کہ اب جاؤ، امید ہے کہ اس سے تمہارے مسئلے کا تصفیہ ہو گیا ہوگا اور تمہارا ذہنی خلجان بھی دور ہو گیا ہوگا! (۱)

ہر شب مکہ میں

حضرت موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں کہ ایک سال دوران حج میں نے حسن بن خلیل کو عرفات میں دیکھا اور ان سے کچھ باتیں بھی کیں، پھر جب خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو ایک بار پھر ان سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی، اور میں نے ان سے درخواست کی کہ دعا فرمائیں کہ اللہ میرا حج قبول فرمالے۔ یہ سن کر وہ رو پڑے اور میرے حق میں قبولیت حج کی دعا فرمادی۔

(۱) صحیح بخاری ۳۲۱۲/۲ حدیث: ۳۳۲۲..... صفحہ الصلوۃ: ۵۱/۱۔

پھر جب میں لوٹ کر مصر پہنچا اور لوگوں سے کہا کہ حسن بن خلیل نے ہمارے ساتھ حج ادا کیا اور مکہ میں میری ان سے ملاقات بھی ہوئی تو لوگوں کو بڑا تعجب ہوا؛ کیوں کہ وہ اس سال حج کے لیے گئے ہی نہیں تھے۔

لوگ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ وہ اپنے روحانی تصرفات سے ہر رات مکہ میں گزارتے ہیں؛ مگر مجھے یقین نہیں آتا تھا لیکن اس واقعہ نے اس کی تصدیق کر دی۔

میری جب ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اس خبر کو پھیلانے پر مجھ پر عتاب فرماتے ہوئے کہا کہ تم نے میرے اُس راز کو شہرت دے دی جسے میں راز رکھنا چاہتا تھا۔

خدا را آئندہ ملنے والوں سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ (۱)

ایک جوان کی توبہ

حضرت ابن سماک روایت کرتے ہیں کہ بنو امیہ کا بانکا، چھریا، خوبصورت، حسین و جمیل نو جوان موسیٰ بن محمد بن سلیمان ہاشمی اپنے عیش و عشرت، تن پروری، خوش لباسی اور ماہوش کینروں اور غلاموں کی جھرمٹ میں سرمستی حیات کا عادی تھا۔

انواع و اقسام کے لذائذ سے اس کا دسترخوان ہمہ وقت لبریز رہتا۔ زرق برق ملبوسات میں لپٹا مجلس طرف سجائے، رات کی رات غم و آلام دنیا سے بے خبر پڑا رہتا۔ ایک سال میں تین لاکھ تین ہزار دینار کی آمدنی تھی اور یہ ساری کی ساری دولت وہ اپنی عیاشیوں پر قربان کر دیتا۔

شارع عام پر نہایت بلند و بالا خوبصورت مکان بنا رکھا تھا، جس کا گیٹ نہایت شاندار تھا، اپنے محل میں بیٹھا کبھی وسیع گزرگاہ کی رونقوں سے محظوظ ہوتا، عقبی جانب

نہایت شاندار باغ لہلہا رہا تھا، جس میں حسین و جمیل پھولوں کی کیاریاں قرینے سے آراستہ رہتیں، کبھی کبھی اس میں مجلس طرب سجایا کرتا تھا۔

موسیٰ کے محل میں ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک قبہ تھا جس میں چاندی کی میخیں تھیں اور جس کے بعض حصوں پر سنہرا جڑاؤ تھا، قبہ کے عین بیچوں بیچ قیمتی تخت خاص شہزادہ کے جلوس کے واسطے بنایا گیا تھا۔

جسم پر قیمتی لباس اور جڑاؤ عمامہ پہن کر موسیٰ اس پر بیٹھتا، ارد گرد دوست و احباب کی نشستیں ہوتیں، پشت پر خدام و غلام ایستادہ ہوتے، قبہ کے باہر گولیوں کے بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی، جہاں بیٹھ کر وہ اپنے نغمہ و سرور سے موسیٰ اور اس کے ہم مشربوں کا جی بہلاتے۔

مہ جمال گانے والیاں بھی کبھی رونق مجلس بڑھاتیں۔ ان میں اور مردانہ نشست گاہ میں ایک باریک پردہ حائل رہتا جسے حسبِ خواہش کبھی ہٹا دیا جاتا، پردہ کو جنبش دینا اس بات کا اشارہ تھا کہ فوارۂ نعمات کا اُبال شروع ہوا اور جب گانا بند کروانا چاہتا تو اس وقت بھی محض اشارہ کر دیتا۔

رات ڈھلے عیش و عشرت سے تھک کر ماہِ وش کنیزوں میں سے جس کے ہمراہ چاہتا شبِ باشی کرتا۔ دن کو شطرنج و زرد کی بساطیں جتیں، کبھی بھولے سے بھی اس کی مجلس پر موت یا کسی غم و اندوہ کے تذکرے کا سایہ نہ پڑتا، اسی عالمِ سرمستی و شباب میں ستائیس سال گزر گئے۔

ایک رات حسبِ معمول ساز و رباب کی محفل میں بالا خانے پر بیٹھا گانے سن رہا تھا، اس کی نگاہوں کے سامنے بازارِ رقص و سرود گرم تھا، شراب کے جام چل رہے تھے کہ اتنے میں کہیں سے اس کی کانوں میں ایک آواز گونجی، اس پر درد آواز سے اس کے دل پر چوٹ لگی، اس کی طبیعت میں ایک تغیر آ گیا، آواز میں ایسا اتار چڑھاؤ تھا کہ وہ ٹھیک سے سن نہیں پارہا تھا، اس نے ہمہ تن گوش ہو کر اسے سننے کی کوشش کی، اور حکم دیا کہ یہ رقص و سرود بند کر دو۔

غلاموں سے کہا کہ یہ بھیجی بھینی آواز میں کون نغمہ سرا ہے، جاؤ اسے میرے دربار لے کر آؤ۔
 غلام نکل کھڑے ہوئے، ساتھ ہی ایک مسجد تھی، اندر پہنچے تو دیکھا کہ ایک جوان ہے
 جو شوریدہ سر بھٹی پرانی چادر اوڑھ کر اللہ کی خشیت و یاد میں دیوانہ وار مناجات کیے جا رہا
 ہے، جاگ جاگ کر گردن سوکھ گئی تھی، فاقے کی وجہ سے جسم پر لاغری آگئی تھی، شدت
 پیاس سے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ غلاموں نے اسے مسجد سے نکالا اور شہزادے کے
 سامنے پیش کر دیا۔

شہزادے نے پوچھا: اے درویش صفت جوان! تم کیا گارہے تھے، جسے سن کر میری
 طبیعت دگرگوں ہو گئی۔ اس نے جواب دیا: میں نغمہ لاہوتی گارہا تھا اور اللہ کے کلام کی
 تلاوت کر رہا تھا۔ شہزادے نے کہا: ذرا ہمیں بھی سناؤ۔ چنانچہ اس جوان نے اس طرح
 پڑھنا شروع کیا :

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ عَلَى الْأَرَائِكِ يُنْظَرُونَ تَعْرِفُ فِي
 وَجْهِهِمْ نُظْرَةَ النَّعِيمِ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ خِتَامُهُ
 مِسْكٌ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ
 عَيْنًا يُشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۝ (سورہ مطففین: ۸۳/۲۲ تا ۲۸)

بے شک نیکوکار (راحت و مسرت سے) نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔
 تختوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے۔ آپ ان کے چہروں سے ہی نعمت و
 راحت کی رونق اور شگفتگی معلوم کر لیں گے۔ انھیں سربہ مہر بڑی لذیذ شرابِ طہور
 پلائی جائے گی۔ اس کی مہر کستوری کی ہوگی، اور (یہی وہ شراب ہے) جس کے
 حصول میں شائقین کو جلد کوشش کر کے سبقت لینی چاہیے۔ اور اس (شراب)
 میں آبِ تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ (یہ تسنیم) ایک چشمہ ہے جہاں سے صرف اہل
 قربت پیتے ہیں۔

یہ سن کر وہ شہزادہ ہاشمی بے اختیار چیخ پڑا اور اُٹھ کر اس جوان سے لپٹ گیا۔ درباریوں کی چھٹی کردی، اور محل کے سارے پردے گرا دیے گئے، شہزادہ اسے لے کر صحن میں آگیا اور ایک بوریا بچھا کر بیٹھ گیا، اور فریاد کر کے کہنے لگا کہ مجھے اس طرح کی کچھ اور باتیں سنا؛ چنانچہ دیر تک اس جوان نے اسے اللہ کی آیتیں، اس کے وعدے، آخرت کی نعمتیں، پھر یوں ہی اس کے دیدار کی باتوں تک مضمون کھینچ کر لے گیا۔

یہ سن کر وہ تڑپ گیا، زمین پر گر پڑا، اور سچے دل سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی۔ اور سارا سیم وزر، غلام و کنیز اور جائیداد وغیرہ راہِ خدا میں خیرات کر دی۔ پھر اس نو جوان سے کہا کہ خدارا مجھے اپنی صحبت سے محروم نہ کرو، جہاں رہو مجھے بھی ساتھ رکھو؛ چنانچہ دونوں ساتھ ساتھ رہنے لگے، اور اس نے ایسی عبادت و ریاضت اختیار کی اور ایسی شب خیزی و اشک ریزی کی کہ اس دور کے صلحا و اولیا اس کی زیارت کو آیا کرتے تھے۔

پھر ٹاٹ کے کپڑے پہن کر شرم سارا نہ ننگے پاؤں مکہ معظمہ روانہ ہو گیا، حج کیا، اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ ایک دن وفات سے ذرا قبل وہ دیوانہ وار پچھلی رات خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، طوفِ حرم کے دوران جب وہ بابِ کعبہ کے سامنے آیا تو عرض کرنے لگا :

أتيتك عاصيا يا ذا المعالي ففرج ما تری من سوء حالي

إلى من يرجع المملوك إلا إلى مولاه يا مولی الموالی

یعنی مولا مجھے تیری خبر نہ تھی، میں تیری معرفت سے بے خبر تھا، اور اسی بے خبری میں میں تیری نافرمانی کرتا گیا، بلندی والے رب جو میرا برا حال ہے، اسے اپنی بخشش کے ساتھ خوش حالی سے بدل دے۔ میں تیرا غلام ہوں بتا اب تجھے چھوڑ کے کدھر جاؤں، اس لیے کہ غلام اچھا ہو یا برا ہو پلٹ کر پھر اپنے مالک کے پاس ہی تو آیا کرتا ہے!۔

یہ شعر پڑھ کر وہ تڑپنے لگا اور چیخ و پکار، آہ و زاری کرتے کرتے اس نے اپنی جان جاں آفرین کے حوالے کر دی۔ (۱)

الہی یہ ترے پُر اسرار بندے

حضرت ابونوح سے کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ کے اندر ایک شخص بیان کیا کرتا تھا کہ میں نے ایک آدمی کو اس حال میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا کہ اس کی گریہ و بکا اور آہ و زاری رکنے کا نام نہ لیتی تھی اور ہر وقت اس کی آنکھیں چھلکی ہوئی ہوتی تھیں۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہونہ ہو یہ کوئی صاحب خیر و خیر شخص ہے؛ چنانچہ میں اس کی ٹوہ میں لگ گیا۔ جب مسجد سے نکلتا اس کے پیچھے ہولیتا؛ لیکن اس کا معاملہ یہ تھا کہ وہ صرف آدھی رات کو باہر نکلا کرتا تھا۔

معمول کے مطابق ایک شب وہ نکلا تو میں بھی اس کے تعاقب میں نکل پڑا۔ شہر کے باہر ایک گھاٹی کے اوپر سے گزرتا ہوا وہ ایک صحرا میں پہنچ گیا؛ مگر میری اس کو مطلقاً خبر نہ تھی۔ اب وہ وہیں سے بیت اللہ الحرام کی طرف متوجہ ہو کر عرض گزار ہوا :

اے میرے پروردگار روپا لنہار! گنہگاروں کو تکتے تکتے میری آنکھیں پیزا رکھی تھیں، تو اگر ان سے بچاؤ کی کوئی صورت ہو تو از جلد میرے لیے پیدا فرما دے۔

پھر وہ بدن پر پڑی ہوئی ایک چادر اُتار کر خود کو اس میں چھپا کے رو بہ قبلہ اُکڑوں بیٹھ گیا۔

اتنے میں ایک شخص نے کھانے اور مشروب سے لبریز ایک طشت لا کر اس کے سامنے رکھ دیا؛ اور وہ اس سے اٹھا اٹھا کر کھانے لگا۔

مشروب چوں کہ اس نے اپنے ہاتھ ہی میں اٹھا رکھا تھا تو جب اس نے پانی پی لیا، تب وہ میزبان شخص روانہ ہونے لگا۔ اب میں نے اس کا تعاقب کرنا شروع کیا کہ شاید اس سے اُس کے کچھ حال احوال معلوم ہو جائیں۔

کہتے ہیں کہ ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے زمین شق ہو گئی اور وہ اس کے اندر چلا گیا؛ کیوں کہ جب جائے واردات پر میں پہنچا تو زمین بالکل ہموار تھی۔ اس کے بعد اُس بندہ خدا کو دیکھنے کی خواہش و تڑپ مجھ میں اور بڑھ گئی۔ اور میں نے اسے دوران طواف ہزار تلاشا؛ مگر پھر وہ دوبارہ مجھے ملنے سے رہا۔ (۱)

اور دل ہوش میں نہ رہا

حضرت ابراہیم السامح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے طواف خانہ کعبہ کے دوران ایک لڑکی کو کعبہ کے پردوں سے لپٹ کر یہ کہتے سنا :

یا وحشتی بعد الأنس، و یا ذلی بعد العز، و یا فقري بعد الغنى، و یا عظم مصیبتی .

یعنی ہاے! محبت الہی کے بعد میں تنہا ہو گئی۔ ہاے! عزت پانے کے بعد میں ذلیل ہو گئی۔ ہاے! میری کے بعد میں فقیری میں مبتلا ہو گئی۔ ہاے! مجھ پر کتنی بڑی مصیبت نازل ہو گئی ہے!۔

میں نے پوچھا: اے لڑکی! تجھ پر کون سی مصیبت نازل ہوئی ہے؟۔

اس نے کہا: میرا دل ہوش میں نہ رہا۔ میں نے کہا: یہ تو معمولی مصیبت ہے۔

کہنے لگی: بھلا دل کی بیہوشی اور محبوب کی جدائی سے بڑھ کر بھی کوئی مصیبت ہو سکتی ہے!۔

میں نے پوچھا: تم اپنی آواز پست کیوں نہیں کرتی؟
 تو وہ جواباً پوچھنے لگی: بتائیے! یہ گھر کس کا ہے، آپ کا یا اللہ کا؟۔ میں نے کہا: اللہ کا۔
 کہنے لگی: یہ حرم آپ کا ہے یا خداے تعالیٰ کا؟۔ میں نے کہا: خداے تعالیٰ کا۔
 اس نے پھر پوچھا: اچھا یہ بتائیے کہ کون ہمیں اس کی زیارت کی توفیق عطا فرماتا ہے؟۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ۔

تو وہ کہنے لگی: پھر مجھے میری حالت پر چھوڑ دیجیے کہ میں اس کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری کروں، جیسا کہ اس نے ہمیں اپنے حرم شریف میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی، اور اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر لیے اور یوں دعا کرنے لگی :

سیدی بحبک لی إلا ما رددت علی قلبی .

یعنی اے میرے پروردگار! تیری میرے ساتھ محبت کا واسطہ! میرے دل کو ہوش عطا فرمادے۔

میں نے اس سے کہا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے؟۔
 اس نے جواب دیا: وہ اس طرح کہ اس کی خاص عنایت نے ہمیشہ میری طرف سبقت کی؛ کیوں کہ اس نے میری تلاش میں لشکروں کو بھیجا، اس نے مال خرچ کیے اور اس کے بندوں نے جہاد کیا یہاں تک کہ مجھے شرک کے شہر سے نکال کر توحید کی آبادی میں لا کھڑا کیا، اور پھر اس نے مجھے اپنے راستے کی معرفت عطا کی اور حسن توفیق کے ساتھ اپنی بارگاہ کی طرف رہنمائی فرمائی جس کا مجھے شعور بھی نہ تھا؛ مگر اب دیکھئے کہ میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ (۱)

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۲۱۰ تا ۲۱۱۔

کمن عارف

حضرت شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ جب سے حج بیت اللہ سے لوٹے تھے ان کا عالم ہی عجیب تھا، ملاقات کرنے والے ان کی قربت میں ایک کشش اور روحانی لذت پاتے تھے۔ خاص طور سے ان کے ہاتھوں کی خوشبو سے لوگ دیر تک محفوظ ہوتے رہتے تھے۔

وہ ایسی پاکیزہ، لطیف اور دلنواز خوشبو تھی جس کے نام اور ندرت سے عطار بھی ناواقف تھے۔ عطر گلاب، خس، کیوڑہ، اور مجموعہ ان کے ہاتھ کی خوشبو دریافت شدہ تمام عطریات سے ممتاز تھی، ہر مصافحہ کرنے والا ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر الگ کرتا تو اس جاں افروز خوشبو کو دیر تک محسوس کرتا۔

ایک روز لوگوں نے دریافت کیا کہ شیخ ابراہیم! آپ کے دست مبارک میں یہ غیر معمولی خوشبو کہاں سے آئی، اس کا راز کیا ہے؟۔

آپ نے فرمایا: ہوا یہ کہ سفر حج کے دوران وسط حجاز میں میں اپنے قافلہ سے نکھڑ گیا۔ میں سو رہا تھا، میری آنکھ جب کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ قافلہ جا چکا ہے۔

صحرائی علاقہ اور تیز لو کا موسم، گرم گرم ہوا چلنے لگی، میں وہاں تنہا سخت پریشان۔ نہ کوئی آبادی تھی، نہ انسان۔ لو کی تیش الگ جھلسا رہی تھی۔

اتنے میں مجھے ایک لڑکا نظر آیا، میں جلدی سے اس کی طرف لپکا یہ سوچ کر کہ کہیں یہ بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے، وہ ایسا حسین تھا جیسے چودھویں کا چاند یا دو پہر کا دمکتا سورج۔ قریب جا کر میں نے اسے سلام کیا۔

لڑکا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا ابراہیم۔

شیخ ابراہیم: سبحان اللہ! تم میرا نام بھی جانتے ہو، کوئی سابقہ دید و شنید تو مجھے معلوم نہیں، تم نے مجھے پہچانا کیسے؟۔

لڑکا: اے شیخ! میں نے جب سے پہچانا بھولا نہیں، اور جب سے ملا جلا نہیں ہوا۔
 شیخ ابراہیم: تم اس شدید گرمی کے موسم میں بیابان کے اندر کیسے قیام پذیر ہو؟۔
 لڑکا: میں نے اس کے علاوہ کسی سے دوستی نہیں کی، اور نہ کسی کی رفاقت اختیار کی اور
 سب سے کٹ کر اسی کی طرف جا رہا ہوں۔ بس اسی کے معبود ہونے کا اقرار ہے۔
 شیخ ابراہیم: کہاں سے کھاتے پیتے ہو؟۔
 لڑکا: میرا محبوب میرا ضامن ہے۔
 شیخ ابراہیم: بخدا مجھے اس تیز لو، اور شدت گرمی کے باعث تیری جان کے تلف
 ہونے کا خوف ہے۔

لڑکا یہ بات سن کر رونے لگا اور کچھ اشعار پڑھنے لگا، جن کا منظوم مفہوم یہ ہے :

مجھ کو نا صبح نہ ڈر راہ کی کٹھنائی سے میں ہوں بے خوف مجھے یار کے گھر جانا ہے
 عشق تڑپاتا ہے شوق حوصلہ اُکساتا ہے دوست اللہ کا انسانوں سے بیگانہ ہے
 بھوک لگتی ہے تو کر لیتا ہوں اس سے سیری ذکر پانی ہے مرا، شکر میرا دانا ہے
 دہر میں کچھ بھی نہیں اس کی عنایت کے سوا وہی ساتی وہی ساغر وہی میخانہ ہے
 قوتِ عشق مری دیکھ! مرا جسم نہ دیکھ ناصحا! لگتا ہے تو عشق سے بیگانہ ہے
 عشق ہی کوہ کن و عشق ہی طوفاں بردار عشق سے شوق بکف دشت ہے ویرانہ ہے
 بے پروبال اُڑا کر مجھے لے جائے گا جس کو میں جان گیا جس نے مجھے جانا ہے

شیخ ابراہیم: میں تجھے خداے ذوالجلال کی قسم دیتا ہوں مجھے اپنی عمر صحیح صحیح بتا؟۔
 لڑکا: بخدا میری عمر بارہ سال ہے، بھلا آپ میری عمر کیوں دریافت کر رہے ہیں؟۔
 شیخ ابراہیم: تیری باتوں نے مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

لڑکا: اللہ تعالیٰ کا بیحد شکر و احسان ہے کہ اس نے مجھے بہت سے ایمان والوں پر

فضیلت بخشی۔

شیخ ابراہیم کہتے ہیں میں اس بارہ سالہ عارفِ ربانی کی شیریں کلامی میں کھو گیا اور رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے لگا جس نے اس کمسنی میں پھول جیسے لڑکے کے دل کو اپنی محبت اور عرفان کا گہوارہ بنا دیا۔

مناجات سن کر لڑکے نے چند ثانیے کے لیے اپنا سر جھکایا پھر سر اٹھا کر مجھے تیکھی نظروں سے دیکھا اور گویا ہوا :

اے شیخ! حقیقتاً جدا وہ ہے جسے دوست ترک کر دے، اور واصل وہ ہے جو اس کا اطاعت گزار رہے، مگر آپ تو صرف قافلہ حجاج سے جدا ہوئے ہیں۔

شیخ ابراہیم: صاحبزادہ تو نے بالکل سچ کہا۔ میں ایسا ہی ہوں، میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر دعا کرنے کی درخواست کرتا ہوں؛ تاکہ میں اپنے قافلہ سے جاموں۔

لڑکے نے آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر زیر لب کچھ پڑھا (شیخ ابراہیم کہتے ہیں) اس وقت مجھ پر غنودگی طاری ہوئی، ہوش اس وقت آیا جب میرے قافلہ کے ساتھی نے مجھے مخاطب کر کے کہا: شیخ ابراہیم! سواری پر سنبھل کر بیٹھو کہیں گرنہ جانا مجھے معلوم نہیں وہ لڑکا آسمان کی جانب پرواز کر گیا یا کہاں چلا گیا؛ مگر میں اپنے قافلے میں پہنچ چکا تھا، یہ سب کیسے ہوا خود میرے لیے باعثِ تعجب ہے؟۔

ہمارا قافلہ مکہ معظمہ میں داخل ہوا تو ایک دن خانہ کعبہ کے قریب میری نگاہ ایک لڑکے پر پڑی جو دیوانہ وار طوافِ حرم کر رہا تھا اور غلافِ بیت اللہ شریف سے لپٹ کر رو رہا تھا، میں نے پہچان لیا یہ وہی لڑکا ہے، میرے قریب پہنچتے پہنچتے اس نے غلاف کعبہ کو چھوڑ کر سرسجدہ میں رکھ دیا۔ میں نے اس کے سر اٹھانے کا انتظار کیا مگر اس نے سر نہیں اٹھایا، بہت دیر بعد میں نے اس کے بدن کو جنبش دی تو وہ بے جان تھا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں لڑکے کا جنازہ وہیں چھوڑ کر اپنی قیام گاہ گیا، کفنِ دفن کا انتظام کرنے کے لیے کچھ کپڑے وغیرہ لیے اور واپس حرم شریف میں آیا تو وہاں اسے نہیں پایا۔ لوگوں سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی کوئی خبر نہیں دی گویا میرے سوا کسی نے اس لڑکے کو زندہ یا مردہ دیکھا ہی نہیں، اور مصلحتِ خداوندی کے تحت اس کے احوال لوگوں سے پوشیدہ رہے مجھے اس واقعہ نے بہت فکر مند کر دیا۔

اسی رات کی بات ہے کہ میں نے خواب میں لڑکے کو دیکھا جو ایک عظیم جلوس کے آگے آگے چل رہا ہے۔ ایک نورانی بیش قیمت عبا زیب تن کیے ہوئے ہے۔ میں نے پوچھا کیا میں وہی نہیں جس کی تم سے ملاقات ہوئی تھی؟۔

لڑکا: آپ بے شک وہی ہیں!۔

شیخ ابراہیم: کیا تمہارا انتقال نہیں ہو چکا؟۔

لڑکا: بے شک میں وفات پا چکا ہوں۔

شیخ ابراہیم: تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے کفنِ دفن اور نمازِ جنازہ کی فکر میں میں کتنا پریشان ہوا؟۔

لڑکا: شیخ ابراہیم! میری تجہیز و تکفین اس ذات نے کی جس نے مجھے میرے شہر سے نکالا، اپنی محبت کا شیدائنا یا۔ مجھے میرے گھر والوں سے الگ کر کے مسافرتِ بخشی۔ تو میری تمام حاجتوں کا تاحیات وہی کفیل رہا۔

شیخ ابراہیم: اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ رب تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟۔

لڑکا: مجھے اپنے حضور کھڑا کیا، اور پوچھا: تیری مراد کیا ہے؟۔ میں نے عرض کیا مولا! تو ہی میری منزل اور تو ہی میرا مقصود ہے۔ تیرے سوا میری اور کوئی مراد نہیں، ارشاد فرمایا: تو میرا مخلص بندہ ہے۔ تیرا انعام یہ ہے کہ جس کا تو طالب ہے وہ تجھ سے پوشیدہ نہ

رہے۔ میں نے عرض کیا: بارِ الہا! میرے اہل زمانہ کے حق میں میری سفارش قبول کر، تو رب تعالیٰ نے میری یہ التجا قبول فرمائی۔

شیخ ابراہیم فرماتے ہیں اسی عالم خواب میں لڑکے نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں جب نیند سے بیدار ہوا تو میرے ہاتھوں میں اس عارفِ کامل لڑکے سے مصافحہ کی یہ برکت باقی رہ گئی کہ ان سے دلنواز خوشبو نکلتی ہے۔

امام ابو محمد عبداللہ بن اسعد یمنی یافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابراہیم کے ہاتھوں میں وہ خوشبو تاحیات باقی رہی اور ان سے مصافحہ کرنے والے کسمن عارف کے فیضانِ عشق سے متمتع ہوتے رہے۔^(۱)

اور دینار چوری ہو گئے

حضرت فضیل بن عیاض کے صاحبزادے حضرت علی بھی تقویٰ و طہارت اور خدا خونی میں اپنے باپ سے کچھ کم نہ تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ علی بن فضیل کے کچھ دینار عین اس وقت چوری ہو گئے جب وہ خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھے۔ جب انھیں اپنے دینار کی چوری کا علم ہوا تو رونے لگے۔

ان کے والد نے حیرت سے پوچھا کہ علی! کیا تم دیناروں کی وجہ سے رورہے ہو؟ انھوں نے کہا: والد گرامی! مجھے اس کا کوئی غم نہیں کہ دینار چوری ہو گئے بلکہ مجھے تو اس مسکین بیچارے کے حال پر ترس آتا ہے جس سے قیامت کے دن اس چوری کے متعلق باز پرس کی جائے گی اور وہ کوئی جواب نہ دے سکے گا!۔^(۲)

(۱) روض الریاحین: ۱۰ تا ۱۱، بحوالہ بزم اولیاء: ۱۸۲ تا ۱۸۶۔

(۲) احیاء علوم الدین: ۳/۳۷۹۔

ایک بدوی کی التجائیں

حضرت محمد بن عبید بن یونس علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران میری نگاہ ایک بدوی (دیہاتی) پر پڑی جو غلاف کعبہ تھامے آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر اس طرح التجائیں کر رہا تھا :

اے وہ بہتر ذات جس کی طرف لوگ گروہ درگروہ آتے ہیں، میری زندگی کے دن گزر گئے، مجھ پر کمزوری نے غلبہ پالیا۔ اے میرے پاک پروردگار! میں تیرے معظم و مکرم گھر کی طرف اتنے گناہوں کے ساتھ آیا ہوں کہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود بھی ان کے لیے تنگ پڑ گئی ہے۔ سمندر بھی میرے گناہوں کی گندگی کو نہیں دھو سکے۔ میرے کریم پروردگار! میں تیرے عفو و کرم کے بھروسے پر تیری پناہ میں آیا ہوں۔ میں نے اپنی سواری تیرے حرم میں لا کر روک دی ہے۔ اپنا مال تیری رضا کی خاطر خرچ کر دیا ہے۔ میرے مولا! یہ سب تیری عطاؤں کے خزانے سے ہے۔

پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور باوازا بلند کہنے لگا :

اے لوگو! اس کے لیے دعا کرو جسے اس کی خطاؤں نے گھیر رکھا ہے، جس پر مصیبتوں اور پریشانیوں نے غلبہ پالیا ہے۔ میرے بھائیو! غریب و مفلس بیچارے پر رحم کرو، میں تمہیں اسی شوق و رغبت کا واسطہ دیتا ہوں جو تمہیں دربار الہی تک کھینچ لایا ہے۔ میرے لیے دعا کرو کہ میرا پاک پروردگار میرے جرموں کو معاف فرما کر میرے گناہوں سے درگزر فرمائے۔

یہ کہہ کر وہ دوبارہ خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر مصروف التجا ہو گیا اور عرض کرنے لگا :

اے میرے مالک و مولا! تیرا بندہ بڑے بڑے گناہوں کی وجہ سے کرب و غم میں مبتلا ہو گیا ہے، کچھ بھی نیکیاں پلے نہیں۔ اے میرے کریم پروردگار! مجھ

غریب و نادار کو اپنی رحمتِ خاصہ کے سائے میں جگہ عطا فرما۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے میدانِ عرفات میں پھر اُسی بدوی کو دیکھا، وہ اپنا بابا یاں ہاتھ سر پر رکھے ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا اور اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے :

اے میرے خالق و مالک! باغات، کلیوں کے ساتھ مسکراتے ہیں، آسمان رحمت کی بارش برساتا ہے۔ اس انعام و اکرام کا واسطہ جو تو نے اپنے محبوب کو عطا فرماتا ہے، میرا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ تو اپنے چاہنے والوں کو اپنی رضا عطا فرماتا ہے، اور کیوں نہ ہو تو ہر اس شخص سے محبت کرتا ہے جو تجھ سے محبت کرتا ہے، جو تیری طرف لو لگاتا ہے تو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتا ہے۔ میرے پروردگار! ہر ہر شے تیری مشتاق ہے۔ میرے مولا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے دل کو بھی اپنا مشتاق بنالے، مجھے بھی اپنی رحمت کی دولت عطا فرمادے، اور میری گردن کو جہنم کی آگ سے آزادی عطا فرمادے۔ (۱)

رِزق بندے کی تلاش میں

حضرت ابو یعقوب اقطع بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حرمِ الہی میں تھا، خانہ کعبہ کے طواف کے دوران مجھے بھوک کا احساس ہوا؛ کیوں کہ دس دن سے کوئی چیز مجھے کھانے کو نہ ملی تھی۔ جب مجھ پر ضعف غالب آنے لگا تو سوچا کہ باہر چلتے ہیں شاید کچھ کھانے کو مل جائے۔

چنانچہ اسی نیت سے میں جنگل کی طرف نکل پڑا۔ میں ایک شلجم کوزمین پر پڑا دیکھا، اور اٹھالیا؛ مگر پھر خیال آیا کہ دس روز فاقے سے رہا اور آخر کو لیا تو ایک سڑا شلجم لیا۔ پھر میں نے اس شلجم کو پھینک دیا اور حرم شریف میں واپس چلا گیا۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲۷۸/۲۔

ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک آدمی آیا جس پر آثارِ سفر ہویدا تھے، اور آکر میرے سامنے بیٹھتے ہی ایک تھیلا نکالا اور کہا کہ یہ آپ ہی کے لیے ہے۔
میں نے پوچھا: تم نے مجھ کو کیوں کر خصوصیت دی؟۔

اس شخص نے جواب دیا: ہم دس روز سے سمندر میں تھے۔ ہماری کشتی طوفان میں گھر گئی تھی، قریب تھا کہ ہم ڈوب جاتے۔ سو میں نے نذرمانی کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ڈوبنے سے بچالے تو میں یہ تھیلا فقراء میں سے اس شخص کو دوں گا جو حرم شریف میں سب سے پہلے مل جائے اور یہاں آکر مجھے تم ہی نظر پڑے ہو۔

میں نے کہا: اچھا، تو اسے کھولو۔ اس نے کھولا، تو اس میں مصری، میدہ، مغز بادام، اور برنی بھری ہوئی ملی۔ میں نے ہر چیز میں سے ایک ایک مٹھی لے لی اور اس سے کہا: باقی چیزیں تم لے جاؤ، میری طرف سے اپنے ساتھیوں کو بطور ہدیہ دے دینا۔ میں نے تمہاری نذر قبول کر لی۔

وہ آدمی باقی چیزیں لے کر چلا گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اے ابو یعقوب! تیرا رزق تو دس روز کی مسافت سے چل کر آتا ہے اور تو اسے جنگل میں جا کر ڈھونڈتا ہے۔ (۱)

ماں کی عظمت شان

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان شخص اپنی ماں کو اپنی گردن پر سوار کیے ہوئے طواف کر رہا ہے اور اس کی زبان پر یہ اشعار جاری ہیں۔

(۱) احیاء علوم الدین: ۳/۳۶۶..... روض الریاحین فی حکایات الصالحین: ۶۵۔

أنا لها مطية لا تذعر إذ الر كائب نفرت لا تنفر
ما حملت و أَرْضَعْتَنِي أَكْثَرَ اللَّهُ رَبِّي ذُو الْجَلَالِ الْأَكْبَرِ
یعنی آج میں اپنی ماں کے لیے سواری بنا ہوا ہوں تو اس میں تعجب کی کون سی
بات ہے! اگر سواری نفرت کریں تب بھی (سعادت مندی یہی ہے کہ) تم کسی نفرت
کا مظاہرہ نہ کرو۔

ذرا سوچو کہ اس نے مجھے جو (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اور فطری غذا سے
سیراب کرتی رہی، اس کے مقابلے میں تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ بلاشبہ میرا
پروردگار بڑی عظمت و شان والا ہے۔ (۱)

صبر کا پھل

طواف بیت اللہ کے دوران شیخ ابوالحسن سراج کی نظر ایک عورت پر پڑی جو نہایت ہی
حسین و جمیل اور خوب رو تھی۔ شیخ نے اپنے آپ سے کہا: بخدا میں نے آج تک ایسا حسین چہرہ
نہیں دیکھا۔ شاید یہ اس کی خوشحالی اور فکر و غم کی آزادی کی وجہ سے ہے۔

عورت نے شیخ کی بات سن لی۔ اس نے کہا: کیا کہہ رہے ہیں؟ واللہ میں غموں میں
گرفتار اور فکروں سے زخمی ہوں اور کوئی میرے ساتھ میرا غم بانٹنے والا نہیں!۔
شیخ نے کہا: تجھے کیا غم ہے؟۔

عورت بولی: میرے شوہر نے ایک بکری کی قربانی کی۔ میرے دو ننھے منے چھوٹے
لڑکے کھیل رہے تھے، ایک شیر خوار گود میں تھا، میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ دونوں
لڑکوں میں سے بڑے نے دوسرے سے کہا: آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ ابا جان نے بکری کو

(۱) تفسیر السراج المنیر: ۲۰۷/۱۔

کیسے ذبح کیا؛ چنانچہ چھوٹے نے کہا: ہاں بتاؤ۔ بڑے نے چھری ہاتھ میں لی، بھائی کو زمین پر لٹایا اور ذبح کر دیا۔

بھائی کا خون اور اس کا تڑپنا دیکھ کر وہ خود پہاڑ پر بھاگ گیا، اس کا باپ اس کی تلاش میں گیا؛ مگر اسے نہ پاسکا؛ کیوں کہ اس بیٹے کو بھیڑیے نے پھاڑ کھایا تھا۔ میرا شوہر بھی پہاڑ سے زندہ نہ واپس آسکا، پیاس کی شدت اور گرمی نے اس کی بھی جان لے لی۔

ذبح شدہ لڑکے کی آواز سن کر میں اسے دیکھنے گئی اور شیر خوار بچہ کو چولہے کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ اس نے گرم ہانڈی اپنے اوپر انڈیل لی اور جل کر ہلاک ہو گیا۔

ان تمام بچوں سے بڑی میری ایک بیٹی بھی تھی جس کی شادی ہو چکی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے گھر رہتی تھی۔ ان واقعات کی خبر اس کو پہنچی تو وہ صدمہ کو برداشت نہ کر سکی اور زمین پر ٹپ ٹپ کر مر گئی۔ اب صرف تنہا میں رہ گئی ہوں جو ان تمام غموں کا بوجھ لیے چل رہی ہوں۔

شیخ ابوالحسن نے سنا تو سخت متعجب ہوئے اور پوچھا: آخر تم ان پر صبر کیسے کرتی ہو عورت نے جواب دیا۔ جو بھی صبر اور بے صبری کو الگ الگ کر دے اسے دونوں کے درمیان نمایاں راہ مل جائے گی۔ خوش حالی ظاہر کر کے اگر صبر کر لیا تو اس کا انجام بہتر اور اس کا پھل میٹھا ہے اور اگر بے صبری میں مبتلا رہا تو اس کا کوئی اجر و عوض نہ پائے گا۔

عورت نے شیخ سے یہ بات کہی اور ان کے پاس سے چلی گئی۔^(۱)

ورنہ سر قلم کر دوں گا!

حجاج بن یوسف ایک مرتبہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک نابینا شخص بھی بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے اور طواف کرتے ہوئے دعا کر رہا ہے :

(۱) روض الریاحین ۱۳۳: بحوالہ بزم اولیاء: ۲۱۹ تا ۲۲۰۔

اے اللہ! میری بینائی مجھے واپس لوٹا دے، میری بینائی مجھے واپس لوٹا دے۔
 حجاج بن یوسف اس وقت تک تین چکر لگا چکا تھا۔ اس نے اس نابینا سے کہا کہ
 ارے میاں! میرے چار چکر رہ گئے ہیں، اگر ان چار چکروں کے پورا ہونے پر بھی تیری
 بینائی واپس نہ آئی تو میں تیرا سرمہ کر دوں گا۔
 پہلے تو اس شخص کو صرف اپنی بینائی کی فکر تھی اب اپنی جان کے بھی لالے پڑ گئے تھے؛
 اس لیے کہ حجاج تو ظالم تھا۔ سرمہ کر دینا اس کے لیے بڑا آسان کام تھا۔
 اب اس نابینا نے اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ و زاری شروع کی، اور ایسے اضطراب،
 بے چینی اور بے قراری کے ساتھ دعا مانگی کہ ابھی حجاج کا طواف پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ اللہ
 نے اس کی بینائی واپس لوٹا دی۔

ایسے قاضی کے لیے ہلاکت!

یعقوب بن یوسف کوئی کہتے ہیں کہ میں نے خانہ کعبہ کے طواف کے دوران ایک
 شخص کو دیکھا کہ وہ کچھ اس طرح دعا مانگ رہا ہے :
 اللہم اغفر لی و ما اراک تفعل .
 اے اللہ! مجھے معاف فرما دے؛ مگر لگتا نہیں ہے کہ تو مجھے معاف کرے گا۔
 اس کی یہ دعا مجھے بڑی عجیب لگی؛ چنانچہ اس کے قریب جا کر میں نے کہا :
 ما أعجب یا أسک من عفو الله .
 (اللہ کے گھر میں کھڑے ہو کر) اللہ کی بخشش اور معافی سے نا اُمید ہوتے ہو،
 یہ تو بہت ہی تعجب کی بات ہے!۔
 کہنے لگا: میں ایک بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں؛ اس لیے مجھے اپنی معافی کی
 قطعاً امید نہیں ہے۔

میں نے اس سے پوچھا: ذرا مجھے بھی بتاؤ۔ چنانچہ اس نے اپنا قصہ کچھ اس طرح بیان کیا :

میں یحییٰ بن محمد کے ساتھ موصل کی بغاوت کو فرو کرنے والوں میں شامل تھا۔ جمعہ کا دن تھا۔ ہم نے بہت سارے لوگوں کو قتل کیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ اب ایک منادی کرنے والے نے حاکم کی طرف سے اعلان کیا کہ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور اطاعت قبول کرے اس کو امان دی جاتی ہے۔ اس کے گھر اور اس میں جو کچھ بھی ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی جاتی ہے؛ لہذا کوئی شخص گھر سے نہ نکلے۔

بے شمار لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے، میں اس وقت نوجوان تھا۔ اقتدار اور قوت کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ میں نے ایک گھر کا انتخاب کیا اور تلوار لہراتا ہوا اس میں جا گھسا۔ اس گھر میں میاں بیوی اور ان کے دو بیٹے تھے۔

خاندان سا منہ آیا۔ اس نے مجھ سے سوال و جواب کرنے چاہے تو میں نے دفعتاً اسے قتل کر دیا۔ اس کی بیوی چیخنے اور چلانے لگی اور مجھ سے امن کی طالب ہوئی۔ میں نے کہا: گھر میں جو کچھ نقدی اور سونا چاندی ہے میرے حوالے کر دو، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ گھرانہ مجھے میں خاصا امیر کبیر نظر آتا تھا۔ مجھے یہاں سے خاصی دولت ہاتھ لگنے کی اُمید تھی۔ وہ عورت اندر گئی اور سات دینار لے کر آ گئی۔

میں نے اس سے کہا: یہ بہت تھوڑے ہیں، اور لے کر آؤ۔

عورت نے کہا: گھر میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جو میں تمہیں دوں۔

میں نے تلوار اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی اور کہا: بد بخت! فوراً اندر سے مزید مال لے کر آؤ؛ ورنہ میں تمہارے ایک بیٹے کو اس کے باپ کے پاس پہنچا دوں گا۔

عورت نے ہاتھ جوڑ دیے اور لگی قسمیں کھانے کہ گھر میں صرف یہی کچھ ہے۔ میں نے اس کا اعتبار نہ کیا۔ اس دوران اس کا بیٹا آگے بڑھا تو میں نے اس پر تلوار کا وار کیا اور

اسے قتل کر دیا۔ اب میں نے دوبارہ اس عورت سے کہا :

اب بھی تمہارے پاس وقت ہے، جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ؛ ورنہ تمہارے دوسرے بیٹے کو بھی قتل کر دوں گا۔ جب اس عورت نے میری جفا کو دیکھا تو کہنے لگی: مجھ پر رحم کھاؤ۔ میرے پاس اپنے خاوند کا عطا کردہ ایک عطیہ ہے، میں وہ لے کر آتی ہوں۔ چنانچہ وہ اندر گئی اور تھوڑی دیر کے بعد سونے کی ایک زرہ لے کر آ گئی۔ میں نے آج تک اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت زرہ نہیں دیکھی تھی۔ میں نے اسے ہاتھوں میں لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس زرہ پر سونے کے پانی سے یہ لکھا ہوا تھا :

إذا جار الأمير وحاجباه وقاضى الأرض أسرف فى القضاء

فوئل ثم وبل ثم وبل لقاضى الأرض من قاضى السماء

یعنی جب امیر اور اس کے حاشیہ بردار ظلم و ستم کرنے کرنے پر اتر آئیں، اور دنیا کے قاضی اپنے فیصلوں میں زیادتی کرنے لگیں تو پھر اس دنیا کے قاضی کے لیے آسمانوں کے حاکم اور قاضی کی طرف سے ہلاکت ہے، ہلاکت ہے۔

یہ شعر پڑھنے کے بعد وہ تلوار میرے ہاتھوں سے گر پڑی، میرے جسم پر ریشہ طاری ہو گیا، اور میں نہایت شرمندہ اور ذلیل و خوار ہو کر وہاں سے نکل آیا۔^(۱)

قصہ پچاس جھوٹی حدیث والے کا

حضرت ابوشیبہ بیان کرتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ میرے آگے آگے چل رہا ہے اور کچھ عجیب سی دعا کر رہا ہے :

اللهم اغفر لي، وما أراک تفعل .

(۱) امالی الزجاجی: ۱۳۱۔

اے پروردگار مجھے معاف فرما دے؛ لیکن مجھے لگتا نہیں کہ تو معاف کرے گا۔
میں نے اس شخص سے متعجبانہ انداز میں پوچھا: اے شخص! تیری نا اُمیدی تیرے گناہ
سے زیادہ لگ رہی ہے!۔

اس نے میری بات سن کر لا پرواہی کے انداز میں کہا: اپنا دیکھئے اور مجھے میرے حال
پر چھوڑ دیجیے۔ میں نے کہا: بہتر ہوتا کہ تم مجھے اپنی داستان غم سناتے!۔ چنانچہ وہ کہنے لگا:
بات یہ ہے کہ میں نے پچاس جھوٹی حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف
منسوب کر کے روایت کر دی ہیں، اور وہ لوگوں میں اس قدر مروج و شائع ہو چکی ہیں کہ
ان میں سے ایک حدیث کو بھی واپس لینا میرے بس سے باہر ہے!۔ (۱)

خانہ خدا کے ساتھ عشقی لگاؤ

قبیلہ بنی مخزوم کی حکیمہ نامی ایک عورت کا خانہ کعبہ کے ساتھ ایسا دلی لگاؤ تھا کہ ایک
لمحے کے لیے اس کا فراق اسے برداشت نہ تھا۔ جب کبھی وہ خانہ کعبہ کھلتا دیکھتی چیخ اُٹھتی
اور اس قدر زار و قطار روتی جس طرح نوہ گر عورتیں رویا کرتی ہیں، اور اکثر ایسا ہوتا کہ
اس پر غشی طاری ہو جاتی۔ مسجد حرام سے نکلنا اس کے لیے قیامت بن جاتا، سوائے طبعی
ضرورتوں کے کبھی وہ باہر نہ جاتی تھی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ خانہ کعبہ کھلا اور وہ کسی ضرورت سے باہر چلی گئی تھی، جب واپس
آئی تو اس کی ہم مجلس ایک عورت نے کہا: آج جس شان سے پروردگار کا گھر کھلا اور
طواف کرنے والے جس طرح دیوانہ وار طواف کر رہے تھے اور خانہ کعبہ کھلتے ہی جس
طرح مالک و مولا کی طرف سے ان پر انوار و تجلیات کا چھڑکاؤ ہوا اگر تم دیکھ لیتی تو تمہاری
آنکھ ٹھنڈی ہو جاتی!۔

(۱) الموضوعات ابن الجوزی: ۴۹/۱..... الملأی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ: ۳۹۳/۲۔

اتنا سننا تھا کہ حکیمہ زور سے چیخ مار کر زمین پر گر گئی اور دیر تک یوں ہی تڑپتی رہی، کچھ دیر کے بعد جب دیکھا گیا تو اس کی روح نفسِ غصری سے پرواز کر چکی تھی۔ (۱)

ایک مجرب دعا اور اس کی برکتیں

کسی مردِ صالح کا قول ہے کہ میں نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کے اندر نہایت الحاح و زاری کے ساتھ یہ دعا کرتے ہوئے دیکھا :

اللہم بحق صائمی عرفۃ لا تحرمنی ثواب عرفۃ .
یعنی اے پروردگار! یومِ عرفہ میں میرے روزہ دار رہنے کے طفیل آج تو مجھے
ثوابِ عرفہ سے محروم نہ رکھنا۔

میں نے اس سے پوچھا کہ اس خاص دعا کے پڑھنے کا کیا پس منظر ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میرے والد یوں ہی دعا مانگا کرتے تھے۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو میں نے انہیں خواب میں دیکھ کر پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟۔

فرمایا: اس دعا کی برکت سے اس نے میری مغفرت فرمادی، اور جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو میرے پاس ایک نورِ ظاہر ہوا۔ اور مجھ سے کہا گیا کہ یہی 'ثوابِ عرفہ' ہے، آج ہم اس کی شکل میں تم پر اپنا انعام و اکرام کر رہے ہیں۔ (۲)

رجوع و انابت کی برکات

ایک مردِ صالح کا بیان ہے کہ میں نے ایک لونڈی کو خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہوئے دیکھا جو کچھ اس طرح دعا کر رہی تھی :

’کیا تم سمجھتے ہو کہ میں مقبول ہو جاؤں گی اور میری لغزش معاف ہو جائے گی‘۔

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۱۹۴ تا ۱۹۵..... صفحہ الصفوۃ: ۲۴۰/۱۔

(۲) نزہۃ المجالس و منتخب النفاکس: ۱۵۹/۱۔

میں نے اس سے پوچھا: تیرا جرم و قصور ہے کیا؟

وہ کہنے لگی: دراصل میں ایک بدکار عورت ہوں۔ ایک دن میں گھر سے باہر نکلی، ایک اعرابی سے محو گفتگو تھی کہ اتنے میں کوئی غیبی آواز میرے کانوں سے ٹکراتی ہوئی گزری کہ اے ملعونہ! تمہیں اللہ کے بندوں کو درغلانے میں بڑی مہارت ہے۔

میں نے پوچھا: تم کون ہو؟ تو کہا: میں 'رقیب' ہوں، میرے پاس جو تمہارا نامہ اعمال پڑا ہے اس میں کہیں کوئی نیکی نظر نہیں آرہی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ تو نے اس بندے کے نامہ اعمال کو بھی برائیوں سے بھر دیا ہے!۔

میں نے اس سے پوچھا: اگر میں صدق دل سے توبہ کر لوں تو کیا قبول ہو جائے گی؟ اس نے کہا: توبہ اور وہ بھی تم جیسی بدکار عورت کے لیے!۔

پھر کیا تھا میں وقت و حالات کی پرواہ کیے بغیر اس بال والے پوشاک کو زیب تن کر کے نکل پڑی، اور میں نے کہا: شاید میری توبہ مقبول ہو جائے؛ کیوں کہ میں اس کی جانب ٹوٹ کر رجوع لائی ہوں۔

کہتے ہیں وہ ابھی مشغولِ کلام ہی تھی کہ پھر ایک ندائے غیبی آئی: ہم نے تمہارے توبہ کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی قبول کر لیا۔

اتنا سن کر وہ سسکی، پھر ایک گہری سانس لے کر دنیا کو ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے گئی۔ اللہ اس پر اپنی رحمتوں کی برکھا برسائے۔^(۱)

دعاؤں کی پرواز

کسی مردِ درویش کا قول ہے کہ میں نے طوافِ خانہ کعبہ کے دوران ایک لونڈی کو یہ دعا مانگتے ہوئے دیکھا :

(۱) الزہر الفالح فی ذکر من تنزه عن الذنوب والقبائح: ۱۲۱۔

یا کریم، عہدک القدیم، و انی علیٰ عہدک مقیمۃ .
یعنی اے کریم! تو نے بہت پہلے ہی عہد کر رکھا ہے، اور میں تاہنوز تیرے
وعدے پر قائم ہوں۔

میں نے پوچھا: اے لونڈی! تمہارے اور اس کے درمیان کیسا عہد ہے؟۔
کہا: میرے بھائی! وہ بڑا نوکھا عہد ہے۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ ہم سمندر میں تھے
کہ اچانک ہوا اٹھی جس نے سفینے میں سوار سارے مسافروں کو سمندر کی لہروں کی نذر کر
دیا، پورا سفینہ غرق آب ہو گیا اور میرے اور اس بچے کے سوا اور کوئی نہ بچا؛ چنانچہ ایک
تختے پر میں اور دوسرے تختے پر ایک سیاہ فام شخص سطح آب پر ٹکے رہے۔
صبح ہوئی تو وہ سیاہ فام اپنی کہنیوں سے پانی چیرتا ہوا میرے پاس آ پہنچا، اور ہمارے
ہی تختے پر آ کر وہ بھی کھڑا ہو گیا، اور پھر مجھے لہانے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے کہا: اللہ کے بندے! کتنی مشکل گھڑی میں گھرے ہو، محض طاعت و تقویٰ ہی
اس آفت ناگہانی سے ہمیں نجات دلا سکتا ہے، اور حیرت ہے تمہیں اس وقت گناہ کی سوجھی
ہے؟۔

کہا: تبلیغ کرنا بند کرو، میں نے جو کہہ دیا وہ کر کے چھوڑ دوں گا۔ اتنا کہہ کر اس نے ہاتھ
بڑھایا اور بچے کو مجھ سے چھین کر سمندر کی لہروں کی نذر کر دیا۔
میں نے اپنی نگاہیں آسمان کی جانب بلند کر کے عرض کیا :

یا من یحول بین المرء و قلبه ، حل بیني و بین هذا الأسود
بحولک و قوتک انک علیٰ کل شیء قدير .

یعنی اے وہ ذات جو انسان اور اس کے دل کے درمیان گردش کرتی رہتی
ہے، میرے اور اس سیاہ فام کے درمیان اپنی طاقت و قوت سے آ کر آڑ بن جا،
اور بے شک تجھے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔

اتنے میں کوئی سمندری جانور منہ پھاڑے ہوئے برآمد ہوا اور اس سیاہ فام کونگل کر پھر سمندر میں غائب ہو گیا۔ اب میں موجوں کے درمیان دائیں بائیں ہچکولے کھاتی بلکہ جھولے جھولتی رہی، حتیٰ کہ میں جزیرہ عرب کے کسی ساحل پر آ پہنچی۔

میں نے ساحل پر موجود لوگوں سے جب اپنا معجزاتی قصہ غم سنایا تو وہ ورطہ حیرت و تعجب میں آ گئے اور اپنا سر پیٹ کر کہنے لگے: تو نے تو ہمیں ایک عجیب و غریب بات بتائی۔ اب لوہم تمہیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات بتا رہے ہیں۔

ہوا یہ کہ ہم سب خود بھی سمندر کے اندر محو سفر تھے، اتنے میں ایک سمندری جانور ہویدا ہوا اور ہمارے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا جس کی پشت پر ایک بچہ سوار تھا، اور ہاتھ غیب سے ایک آواز سنائی دے رہی تھی :

خذوا عني هذا الطفل من فوق ظهري و إلا أهلككم .

یعنی اس بچے کو جانور کی پشت سے اٹھا لو ورنہ تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔

تو ہم میں سے ایک نے ہمت کر کے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بچے کو اس کی پشت سے اٹھا لیا اور وہ جانور پھر سمندر کے اندر دم ہلاتا روپوش ہو گیا۔ پھر ہم سب نے اللہ سے یہ عہد کیا کہ آج کے بعد کبھی بھی اس کی نافرمانی کے کام نہ کریں گے۔

(واقعہ کی نوعیت جاننے کے بعد) انھوں نے وہ بچہ میرے حوالے کر دیا۔

یہ واقعہ قدرت کی حیرت انگیز نشانیوں میں سے ایک ہے۔ (۱)

اندازِ دعا کی ندرت

ایک جوان طواف خانہ کعبہ کے دوران غلاف کعبہ پکڑے بارگاہِ الہی میں عرض گزار تھا، اے پروردگار! اس گھر کی زیارت کو شرعاً حج کہتے ہیں، اور کلمہ حج میں دو حرف ہیں :

(۱) الزہر الفالح فی ذکر من تنزه عن الذنوب والقبايح: ۲۱/۱۔

ح اور ج۔ اے میرے مالک و مولا! اگر ح سے تیرا حلم اور ج سے میرے جرم مراد ہیں تو
تو اپنے حلم سے میرے جرم کو معاف فرما دے۔

آواز آئی اے میرے بندے! تو نے کیسی عمدہ مناجات کی، پھر سے دعا مانگو۔

وہ جوان دوبارہ نئے انداز سے یوں عرض پرداز ہوا: اے میرے غفار! تیری
مغفرت کا دریا گنہ گاروں کی مغفرت و بخشش کے لیے ہمہ وقت رواں دواں ہے، اور تیری
رحمت کا خزانہ ہر سوالی کے لیے ہر آن کھلا ہے۔

الہی! اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور حج میں دو حرف ہیں: ح اور ج۔ اگر ح
سے میری حاجت اور ج سے تیرا جود مراد ہے تو تو اپنے جود و کرم سے اس مسکین و فقیر کی
حاجت و مراد پوری فرما دے۔

آواز آئی اے جواں مرد تو نے کیا خوب حمد و ثنا کی۔ پھر سے دعا مانگو، تمہارا انداز
دعا بڑا منفرد ہے۔ اس نے کہا: اے خالق کائنات! تیری ذات وہ ذات ہے جس نے
عافیت کا پردہ اہل اسلام کو مرحمت فرمایا۔ اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور حج میں دو
حرف ہیں: ح اور ج۔ اے میرے پالنے والے! اگر ح سے میری ایمانی حلاوت اور ج سے
تیری جہاں داری کی جلالت مراد ہے تو تو اپنی جہانداری کی جلالت کی برکت سے اس
ضعیف و ناتواں کے ایمان کی حلاوت کو شیطان کی گھات سے محفوظ فرما دے۔

آواز آئی اے میرے مخلص اور عاشق صادق بندے! میرے حلم، میرے جود، اور
میری جہاں داری کی جلالت سے جو کچھ تو نے طلب کیا، میں نے تجھے عطا کیا، ہمارا تو کام
ہی یہی ہے کہ ہر مانگنے والے کا دامن مردا بھر دیں؛ مگر کوئی جی لگا کے مانگے تو سہی۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

راہ دکھلائیں کسے رہ و منزل ہی نہیں

مقصود تراجلوہ ہے

ایک عارفہ خاتون کو لوگوں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ کا دیوانہ وار طواف کر رہی ہیں اور بیت اللہ کا غلاف تھام کر عرض گزار ہیں :

اے دلوں کے محبوب! میرا تیرے سوا کون ہے؟۔ تو ہی اپنے زائر پر رحم فرما۔
اب صبر کا یا رانہیں۔ تیرے شوق کی فراوانی ہے۔ دل کو تیرے سوا کسی کی محبت
گوارا نہیں۔ تو ہی میرا سوال ہے۔ تو ہی میری آرزو ہے، اور تو ہی میری مراد
ہے۔ کاش! مجھے اس بات کا علم ہو کہ تیری ملاقات کب نصیب ہوگی۔ میرا مقصود
جنت کی نعمتیں نہیں، مگر ہاں! جنت چاہتی ہوں تو صرف اس لیے کہ وہاں تیرا
دیدار نصیب ہوگا۔ (۱)

جہنم سے نجات کا پروانہ

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک خدا رسیدہ فقیر خانہ کعبہ کا دیوانہ وار طواف کر رہا تھا،
اس کی دیوانگی کو دیکھ کر کچھ لوگوں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: کیا طوافِ خانہ کعبہ
کے دوران تیرے لیے آسمان سے کوئی رقعہ اُترتا ہے جس میں تجھے جہنم سے براءت کا مشرکہ
پیش کیا گیا ہو۔

اس نے کہا: نہیں، ساتھ ہی پوچھا: کیا لوگوں کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد کوئی
آسمانی رقعہ ملا کرتا ہے؟۔

ان لوگوں نے کہا: ہاں بالکل۔ چنانچہ اس نے پھر پورے انہماک کے ساتھ طواف
کرنا شروع کر دیا اور جہنم سے نجات کا پروانہ اللہ کی بارگاہ سے طلب کرنے لگا۔

(۱) روض الریاحین: ۱۲۳ بحوالہ بزم اولیاء: ۲۰۸ تا ۲۰۷

اتنے میں منبر شریف کے پاس اسے کوئی رقعہ گرتا ہوا محسوس ہوا، وہ دوڑا جب اسے اٹھا کر دیکھا تو اس میں اس کے لیے جہنم سے براءت کا ذکر موجود تھا۔

یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا، اور قبولیت طواف پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر اس نے ان مذاق کرنے والوں سے جا کر اس کی بات بتایا، جب انھوں نے دیکھا تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس رقعہ پر اس شان سے تحریر ثبت تھی کہ جدھر سے بھی وہ اسے پڑھنا چاہتے پڑھ لیتے، اگر ورق پلٹتے تو ساتھ ہی تحریر بھی پیچھے چلی جاتی، دائیں بائیں گھماتے تو دائیں بائیں منتقل ہو جاتی۔

اس معجز نما اور ورطہ حیرت میں ڈال دینے والے رقعہ کو دیکھ کر انھیں یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو یہ اللہ کی طرف ہے۔ (۱)

غوث الاولیاء کون؟

صاحب 'النور السافر' نے لکھا ہے کہ ایک معتبر راوی کے ذریعہ یہ حکایت نقل کی جاتی ہے؛ جن کا بیان ہے کہ میں ۹۰۷ھ میں حج ادا کرنے کے لیے مکہ معظمہ پہنچا۔ معمول کے مطابق ایک دن میں خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا کہ اچانک ایک قبول صورت بزرگ میرے سامنے ہویدا ہوئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ تمہارا نام فلاں ہے اور تم فلاں شہر سے آئے ہو؛ یوں ہی انھوں نے بہت ساری نادیدہ و شنیدہ چیزوں کی مجھے خبر دی جن کا مجھے پہلے پتا نہ تھا۔ پھر اخیر میں فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ آج (دنیا میں) 'غوث الاولیاء کون ہے؟'

میں نے کہا: نہیں۔

(۱) حاشیہ الجمل علی المنہج شیخ الاسلام زکریا انصاری: ۵۸/۴۔

فرمایا: اس دور کے غوث سید ابو کبر بن عبد اللہ عیدروس ہیں جو عدن کی سرزمین پر قیام فرما ہیں۔

میں نے پوچھا: وہ وہاں کب سے ہیں؟۔

فرمایا: کوئی ساٹھ سال سے۔ (۱)

اسراف و انفاق میں فرق!

حضرت عثمان بن اسود بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا، اتنے میں انھوں نے جبل ابوفتیس کی طرف اپنا رخ کر کے فرمایا :

لو أن رجلاً أنفق مثل هذا الجبل في طاعة الله تعالى لم يكن مسرفاً ولو أنفق درهما واحداً في معصية الله عز وجل لكان مسرفاً
یعنی اگر کوئی شخص اس پہاڑ (ابوفتیس) کے برابر بھی راہ خدا میں کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ ہرگز اسراف نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کسی نے ایک درہم اللہ کی نافرمانی کے کسی کام میں خرچ کیا تو بے شک اسراف ہوگا۔ (۲)

درس عبرت برائے حجاج

حضرت شیخ یحییٰ قدس سرہ العزیز جب حج سے فارغ ہوئے تو واپسی پر طواف خانہ کعبہ کیا اور باب کعبہ پر آ کر یوں التجا کی :

(۱) النور السافر عن اخبار القرن العاشر: ۴۳۱۔

(۲) أخبار مكة فاكهي: ۳۶۴/۱، رقم: ۳۳۳۔

الہی! شاہانِ دنیا کا دستور ہے کہ وہ اپنے خدام کو بوقتِ رخصت خدمت گاری کے صلے میں بیش قیمت تحائف اور گونا گوں انعام و اکرام سے عزت افزائی کرتے ہیں، اور جب وہ خدام اپنے خویش و اقربا، احباء و رفقا سے ملتے ہیں تو ان سے تحائف کے خواہشمند ہوتے ہیں اور وہ خادم بادشاہ سے حاصل شدہ انعام و تحائف میں سے اپنے احباب و اقارب کو دے کر مسرت و شادمانی کی دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔

خداوند! میں تیرا بندہ اور تو بادشاہوں کا بھی حاکم و مالک ہے، الہی! میں چند روز تیرے اس حرمت والے گھر کی خدمت سے مشرف ہوا ہوں، اب میری واپسی قریب ہے، کچھ تحائف تیرے آستانِ فیض رساں سے لے جانے کا طالب ہوں؛ تاکہ وہ رحمت و مغفرت کے تحفے جب میں صحیح و سالم لے کر اپنے وطن پہنچوں تو اپنے خویش و اقارب کے مطالبہ پر پیش کر سکوں اور کہوں :

عزیزو! میں دربارِ الہی سے تمہارے لیے رحمت و مغفرت کے دو تحفے لایا ہوں۔ اے میرے مولا! مجھے یہ تحفے عطا فرماتا کہ مجھے ان کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے۔

آواز آئی: اے یحییٰ! جو تحفے تو نے طلب کیے ہیں، میں نے عطا کر دیے، جاؤ انھیں میری رحمت و مغفرت کی بشارت سنا دینا۔

بے شک میں کریم ہوں، جب گدا اور بے نوا کریم کے دروازے پر جاتا ہے تو کریم اس محتاج کی خواہشیں تشہ نہیں چھوڑتا بلکہ اس کی مراد پوری کر دیتا ہے، اور اس کی حاجت بر لاتا ہے۔

جاؤ میں نے اپنے جو دو کرم کے بے پایاں دریا سے تجھے ایمان داروں کے لیے

شفاعت و مغفرت کے تحفے عطا فرمادیے۔

مگر افسوس کہ آج کل کے حجاج کرام سے ان سے خویش و اقربا کی دنیوی سامانوں کی فرمائش ہوتی ہے، یا حجاج خود معاشرتی دباؤ کے تحت اکثر اپنی ناک رکھنے کی خاطر ان تکلفات میں گھر جاتے ہیں۔ اللہ توفیق خیر دے، ہمیں سامانِ دنیا کی طلب سے کہیں زیادہ توشہ آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ اللہ سب کا حامی و ناصر ہو۔

وَصَلِّ اللّٰهُمَّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا وَ قَائِدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَاةً دَائِمَةً مُّسْتَمِرَّةً

مَا تَلَا طَمَتْ فِي الْاُبْحُرِ الْاُمُوجُ وَ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ مِنْ كُلِّ

فَجٍّ عَمِيقٍ الْحُجَّاجُ وَ عَلٰی آلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ

وَ صَحَابَتِهِ الْاَكْرَمِينَ وَ عَلَيْنَا مَعَهُمُ

يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ .

حاجیو! آؤ.....

- حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو 0 کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
 رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت 0 اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو
 آب زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں 0 آؤ جو دِ شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
 زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے 0 ابرِ رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو
 دھوم دیکھی ہے درِ کعبہ پہ بیتابوں کی 0 اُن کے مشتاق میں حسرت کا تڑپنا دیکھو
 مثل پروانہ پھر اُرتے تھے جس شمع کے گرد 0 اپنی اس شمع کو پروانہ یہاں کا دیکھو
 خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ 0 قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
 واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا 0 یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو
 اولیں خانہ حق کی تو ضیائیں دیکھیں 0 آخریں بیتِ نبی کا بھی تجلّا دیکھو
 زینتِ کعبہ میں تھا لاکھ عروسوں کا بناؤ 0 جلوہ فرمایاں کونین کا دولہا دیکھو
 ایمن طور کا تھا رکنِ یمانی میں فروغ 0 شعلہ طور یہاں انجمن آرا دیکھو
 مہرِ مادر کا مزہ دیتی ہے آغوشِ حطیم 0 جن پہ ماں باپِ فدا یاں کرم اُن کا دیکھو
 عرضِ حاجت میں رہا کعبہ کفیلِ الحجاج 0 آؤ اب دادِ رسی شہِ طیبہ دیکھو
 دھوپ کا ظلمتِ دل بوسہ سُنکِ اسود 0 خاکِ بویِ مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
 کرچکی رفعتِ کعبہ پہ نظر پروازیں 0 ٹوپی اب تھام کے خاکِ درِ والا دیکھو
 بے نیازی سے وہاں کا نپتی پائی طاعت 0 جوشِ رحمت پہ یہاں ناز گنہ کا دیکھو
 جمعہ مکہ تھا عیدِ اہلِ عبادت کے لیے 0 مجرمو آؤ یہاں عیدِ دوشنبہ دیکھو
 ملتزم سے تو گلے لگ کے نکالے اُرماں 0 ادب و شوق کا یاں باہم الجھنا دیکھو
 خوب مسعیٰ میں بامیدِ صفا دوڑ لیے 0 رہِ جانان کی صفا کا بھی تماشا دیکھو
 رقصِ بمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں 0 دلِ خوں نابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو
 غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا 0 میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

کتابیات:

✽ قرآن کریم . ابتدائے نزول: ۶۱۰ء - انتہائے نزول: ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ / ۶۳۲ء

✽ مسند الحمیدی : عبد اللہ بن زبیر کی [۲۱۹ھ]

✽ اخبار مکہ للأزرقی : امام ابوالولید محمد بن عبدالکریم غسانی ازرقی [۲۲۳ھ]

✽ مصنف ابن ابی شیبہ : ابوبکر عبداللہ بن محمد بن احمد نسفی [۲۳۵ھ]

✽ مسند امام احمد بن حنبل : امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [۲۴۱ھ]

✽ صحیح بخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]

✽ مسند الشامیین للطبرانی : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]

✽ صحیح مسلم : امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری [۲۶۱ھ]

✽ سنن ابن ماجہ : امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی [۲۷۳ھ]

✽ اخبار مکہ للفاکھی : محمد بن اسحاق بن عباس فاکھی [۲۷۵ھ]

✽ سنن ابی داؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث [۲۷۵ھ]

✽ جامع ترمذی : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]

✽ الرقة والبكاء : عبداللہ بن محمد ابن ابی الدینا قرشی بغدادی شافعی [۲۸۱ھ]

✽ مسند أبوبکر : ابوبکر احمد بن علی مروزی حنفی [۲۹۲ھ]

✽ البحر الزخار مسند البزار : حافظ ابوبکر احمد بن عمرو عتکی بزار [۲۹۳ھ]

- ✽ مسند أبي يعلى الموصلي : احمد بن علي موصلي [۳۰۷ھ]
- ✽ مستخرج أبي عوانة : يعقوب بن اسحاق اسفرائني [۳۱۶ھ]
- ✽ اعتلال القلوب : ابو بكر محمد بن جعفر بن محمد خراطي [۳۲۷ھ]
- ✽ أخبار عقلاء المجانين : ابو الازهر محمد بن زيد نحوي [۳۲۵ھ]
- ✽ معجم ابن الأعرابي : ابو سعيد احمد بن محمد بن اعرابي [۳۳۱ھ]
- ✽ صحيح ابن حبان : ابو الشيخ محمد بن حبان [۳۵۴ھ]
- ✽ تفسير ابن ابي حاتم : ابو محمد عبد الرحمن ابن ابي حاتم رازی [۳۶۷ھ]
- ✽ تاريخ الرسل والملوك : احمد بن محمد طبري کي شافعي [۶۹۴ھ]
- ✽ تاريخ الطبري : احمد بن محمد طبري کي شافعي [۶۹۴ھ]
- ✽ طبقات الصوفية للسلمي : ابو عبد الرحمن محمد بن حسين سلمی نیشاپوری [۴۱۲ھ]
- ✽ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للألکائي : ابو القاسم بن حسن [۴۱۸ھ]
- ✽ السنن الكبرى للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بیهقي [۴۵۸ھ]
- ✽ شعب الايمان للبيهقي : ابو بكر احمد بن حسين بن علي بیهقي [۴۵۸ھ]
- ✽ كشف المحجوب : حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری [۴۶۵ھ]
- ✽ الرسالة القشيرية : ابو القاسم عبد الكريم قشيري [۴۶۵ھ]
- ✽ فوائد ابن منده : حافظ ابو عبد الله بن منده اصبهانی [۴۷۵ھ]
- ✽ إحياء علوم الدين : ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- ✽ مكاشفة القلوب : ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- ✽ تاريخ مدينة دمشق : علي بن حق دمشقي معروف ب ابن عساكر [۵۷۱ھ]

- [۵۵۱ھ] * معجم ابن عساكر : علی بن حق دمشقی معروف ب ابن عساكر
- [۵۵۹ھ] * صفة الصفوة : عبد الرحمن بن علی بن جوزی بغدادی
- [۵۵۹ھ] * بر الوالدین : ابوالفرج عبد الرحمن بن علی بن الجوزی القرشی
- [۶۲۳ھ] * التوابین : ابوالعباس سیف الدین محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی حنبلی
- [۷۲۶ھ] * نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية : عبد اللہ یوسف زلیعی
- [۷۴۵ھ] * تفسير البحر المحيط : اثیر الدین ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی
- [۷۶۸ھ] * روض الرياحین : شیخ عبد اللہ بن اسعد یافعی
- [۷۷۷ھ] * البداية و النهاية : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمعیل ابن کثیر
- [۷۹۵ھ] * لطائف المعارف : زین العابدین عبد الرحمن ابن رجب حنبلی
- [۸۰۷ھ] * مجمع الزوائد و منبع الفوائد : امام نور الدین علی بن ابی بکر یتیمی
- [۸۱۰ھ] * الروض الفائق فی المواعظ و الرفائق : شیخ شعیب حریش
- [۸۳۳ھ] * الزهر الفائح فی ذکر من تنزه عن الذنوب و القبايح: ابوالخیر محمد ابن الجزری
- [۸۵۰ھ] * المستطرف فی کل فن مستظرف: ابوالفتح بہاء الدین الاشہی شافعی
- [۸۹۳ھ] * الترغیب فی فضائل الأعمال و ثواب ذلک: خلیل بن شاہین طاہری
- [۸۹۴ھ] * نزہة المجالس و منتخب النفائس : عبد الرحمن بن عبد السلام صفوری
- [۹۷۳ھ] * المطالب العالیة : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی
- [۹۷۵ھ] * کنز العمال: علاء الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی برہانپوری
- [۱۰۳۰ھ] * فیض القدیر : شمس الدین عبد الرؤف مناوی شافعی
- [۱۱۳۷ھ] * تفسير روح البیان: ابوالفداء شیخ اسمعیل حق بن سوسی

✽ تفسیر مظہری: قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی [۱۲۲۵ھ]

✽ المسند الجامع: ابوالفضل سید ابوالمعاطی النوری [۱۴۰۱ھ]

✽ موسوعة أطراف الحديث: [ھ]

✽ موسوعة التخریج: [ھ]

✽ ماہ نامہ جہانِ رضا

✽ Muslim Views Monthly News Paper, Cape Town, South Africa.

✽ Islam, Spirit and Form, By: Osman Nuri Topbas.

✽ The Five Big Sufis of India and Pakistan, By: W. D. Begg.

يقول أبو الرققة محمد افروز القادري الجرياكوتي - أدام الله له سلوك سبيل السنة و الجماعة - هذا ما وفقني الله تبارك و تعالیٰ و أعانني عليه من وضع هذا الكتاب الذي دأبت في ترتيبه و تحقيقه و تخريجه بكل ما في وسعي و طاقتي و ﴿ لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ﴾ [طلاق: ٧]

و إني أسئله سبحانه و تعالیٰ أن يجعل عملي هذا و جهدي خالصاً لوجهه الكريم و هدية الى جناب سيدي رسول الله العظيم أنجو به من نار الجحيم و ما توفيقي إلا بالله العظيم عليه توكلت و إليه أُنِيب .

قصد بدأت عمل التأليف و الترتيب بعد العودة من الحرمين الشريفين - زادهما الله شرفاً و تعظيماً - في شهر محرم الحرام عام - ١٤٣٣ هـ - الموافق شهر يناير - ٢٠١٩ء - و كان الفراغ منه - بفضل الله و منته و توفيقه و معونته - في ليلة يوم الخميس العاشر من ذى القعدة الحرام عام - ١٤٣١ هـ من الهجرة النبوية على صاحبها السلام و التحية - ، الموافق شهر نوفمبر - ٢٠١٩ء من ميلاد المسيح عليه الصلوة و التسليم .

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا

﴿ تَمَّتْ وَ بِالْخَيْرِ عَمَّتْ ﴾

لمحہ فکریہ

عصرِ حاضر کی مشینی زندگی میں انسان کے پاس فرصت کے لمحات کہاں؟
 علمی و دینی محافل میں شرکت کی سعادت بھی کم ہی مل پاتی ہے،
 اور پھر بے لگام میڈیا کے اخلاق باختہ پروگرامز نے
 رہی سہی کسر بھی پوری کر دی،
 ان حالات نے کتاب کے مطالعے کی اہمیت و افادیت
 کو اور بھی دوچند کر دیا ہے۔
 بے داغ اخلاق و کردار، صفتِ تحمل و بردباری،
 دانائی و زیرکی، سوچ میں پختگی، خود اعتمادی،
 برداشت و یادداشت میں اضافہ،
 اچھی رائے قبول کرنے کی صلاحیت اور بہترین انسان بننے کا حوصلہ۔
 یہ سب اوصاف کتبِ بنی کے نتیجے میں ہمارے اندر پیدا ہو سکتے ہیں،
 تو پھر کیوں نہ ہم کتابوں کا مطالعہ اپنے لیے حُرزِ جاں بنالیں،
 اور اپنے نیز سارے معاشرے کے لیے سراپا رحمت و امان بن جائیں۔

﴿پیغامِ دفاعی مشن، ناسک﴾